انسانی دل اور قبول اسلام

ایک مذہبی سائنسی تجزیہ

مصنف: ڈاکٹر گوہر مشتاق
(پی ایچ ڈی۔ امریکہ)

نام کتاب	:	انسانی دل اور قبول اسلام
مصنف	:	ڈاکٹر گوہر مشتاق
ناشر	:	عباس اختر اعوان
		اذان سحر پبلی کیشنز، منصورہ۔ ملتان روڈ لاہور
اشاعت اول	:	دسمبر 2007ء
اشاعت دوم	:	اگست 2009ء
اشاعت سوم	:	اگست 2012ء
مطبع	:	رانا پرنٹرز، لاہور
قیمت	:	140 روپے

ملنے کے پتے:

- ......ادارہ معارف اسلامی منصورہ ملتان روڈ لاہور۔ 5432419
- ......ادارہ مطبوعات طلبہ 1 اے ذیلدار پارک، اچھرہ لاہور۔ 7553991
- ......دی بک ڈسٹری بیوٹرز، کراچی، 021-2787137
- ......مسٹر بکس، سپر مارکیٹ، اسلام آباد فون 051-2278843,2278845
- ......اسلامی کتاب گھر، خیابان سرسید، راولپنڈی 051-4830451
- ......ملک اولڈ بک ڈپو، کمیٹی چوک راولپنڈی
- ......احمد بک کارپوریشن، کمیٹی چوک راولپنڈی
- ......مکتبہ تبلیغ اسلام، الاکرام بلڈنگ راولپنڈی 5962137
- ......النور اسلامک بکس۔ سنگاپور پلازہ۔ صدر۔ راولپنڈی 5794605
- ......ادارہ تطہیر افکار، جی ٹی روڈ، پشاور۔ 091-262407
- ......ادارہ پاسبان خبر مرکز۔ 1 سرور روڈ، نزد سٹیٹ بینک بلڈنگ ملتان

فہرست

باب پنجم:

باب ششم:

عرض ناشر

الحمدللہ! ایک مختصر عرصے میں زیر نظر کتاب کا دوسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس کتاب میں ڈاکٹر گوہر مشتاق صاحب نے انسانی دل کے حوالے سے بعض جدید انکشافات کے حوالے سے تفصیلات بیان کی ہیں۔ مغربی دنیا میں ان تحقیقات کو بڑی اہمیت دی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ثابت کیا ہے کہ مغربی دنیا کی جدید تحقیقات دراصل قرآن اور حدیث میں بیان کیے گئے حقائق کا اعتراف اور تصدیق ہیں۔

یہ ایک انکشاف ہے کہ صرف دماغ ہی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا' یہ صلاحیت دل میں بھی ہے اور دل کی دنیا بدلتی ہے تو انسان کا پورا وجود اس انقلاب کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ پھر یہ انکشاف بھی حیرت انگیز ہے کہ مغرب میں مردوں کے مقابلے میں ایسی خواتین چار گنا زیادہ ہیں' جن کے دلوں کو اسلام نے روشنی سے منور کیا ہے اور یہ کہ مردوں کی نسبت خواتین کے دل اسلام کیلئے بہتر اور زرخیز زمین ثابت ہو رہے ہیں۔

یہ تحقیقی کاوش ان سعادت مند انسانوں کے لیے یقیناً مہمیز کا کام دے گی جو معاشرے میں صالح تبدیلی کے لیے کوشاں ہیں۔ انہیں چاہئے کہ افراد کے دلوں کی تبدیلی پر توجہ دیں اور ان کے دلوں پر زیادہ سے زیادہ مثبت اثرات پیدا کرنے کی کوشش کریں' یہ افراد ہی انشاء اللہ اسلامی تحریکوں اور اداروں کا حصہ بن کر ایک عظیم الشان انقلاب کی بنیاد بن جائیں گے۔

عباس اختر اعوان

ابتدائیہ

جس طرح انسان مٹی سے بنے ہوئے جسم اور فرشتے کی پھونکی ہوئی روح کا حسین امتزاج ہے، اسی طرح انسان کو اللہ تعالیٰ نے ذہن اور دل عطا کیے ہیں۔ جس طرح اس دنیا کی زندگی روح اور جسم کے درمیان جدوجہد بلکہ بہ الفاظِ سادہ تر معرکہ روح و بدن کی ایک داستان ہے، بالکل اسی طرح اس حیاتِ دنیاوی میں انسان کے دل اور دماغ میں ایک کشمکش رہتی ہے۔ اگر اکثر مواقع پر دماغ اپنی من مانی کرتا ہے تو دل بھی کئی مواقع پر دماغ پر فتح حاصل کرتا ہے اور انسان سے وہ کرواتا ہے جو اس کا دل چاہتا ہے۔

قرآن اور حدیث میں انسانی دل کو ذہانت کا منبع اور جذبات اور احساسات رکھنے والا عضو قرار دیا گیا ہے۔ اس دور میں سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تھی، اس لیے انیسویں صدی عیسوی تک یہی سمجھا جاتا رہا کہ انسانی دل کی حیثیت صرف پمپ جیسی ہے جو پورے جسم میں خون پمپ کرتا ہے۔ تاہم بیسویں صدی کے وسط میں سائنس نے پہلی مرتبہ یہ حیرت انگیز دریافت کی کہ انسانی دل میں بھی انسانی دماغ کی طرح کے ذہانت کے خلیے پائے جاتے ہیں۔ اس انقلابی دریافت کے بعد پھر انسانی دل پر بحیثیت منبع ذہانت (Source of intelligence) کے مغرب میں کئی اہم سائنسی تحقیقات ہوئیں۔ ان تحقیقات کو اس کتاب میں مختصراً پیش کیا جائے گا تاکہ ہمیں اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ سائنس آج ان حقائق کو دریافت کر رہی ہے جو قرآن اور حدیث نے 1400 سو سال پہلے بیان کر دیے تھے۔

انسانی دل ایک حیران کن قسم کا عضو (amazing organ) ہے کیونکہ یہ انسانی جسم اور روح کے درمیان ایک کھڑکی (window between body and soul) کا کام بھی دیتا ہے۔ اسی لیے اسلامی عبادات میں انسانی دل کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے جس پر تفصیلی بحث اس کتاب میں کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے کہ آخرت میں کامیابی کا معیار ''قلب سلیم'' پر ہے' اس لیے ہدایت اور گمراہی کے معاملے میں انسانی دل فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لیے اس کتاب میں انسانی دل اور قبول اسلام کے معاملے پر جدید سائنسی انداز میں تحقیق پیش کی گئی ہے کہ کس طرح غیر مسلموں کے قبول اسلام کا فیصلہ دراصل ''دل کی تبدیلی'' کا معاملہ ہوتا ہے۔ کتاب کے آخر میں اس بات پر بحث کی گئی ہے کہ صحیح اسلامی علم کس طرح حاصل کیا جائے کیونکہ متقی اساتذہ سے حاصل کیا گیا صحیح اسلامی علم ہی انسان کے دل کو منور کر سکتا ہے اور انسان کو ایک مومن کی بصیرت عطا کر سکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

ڈاکٹر گوہر مشتاق

کیلیفورنیا

باب اول

مسلمانوں کا اصل مسئلہ...... ایمان کی کمی

آج کا دور امت مسلمہ کے لیے شدید ابتلا اور آزمائش کا دور ہے۔ مسلمانوں کو ہر محاذ پر پسپائی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ مسلمانوں کی ذلت و مسکنت میں جہاں غیروں کی عیاری کا دخل ہے وہاں اپنوں کی عافیت پسندی اور مغربیت زدگی کا بھی دخل ہے۔ آج مسلمان خوابِ غفلت میں ایسے سوئے ہوئے ہیں کہ انہیں جگانے کے لیے صورِ اسرافیل کی ضرورت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان امت بھیانک سے بھیانک خواب (Nightmares) دیکھ رہی ہے اور اس حقیقت کو سمجھتی نہیں کہ بھیانک خواب آخر اُنہی لوگوں کو آتے ہیں جو سو رہے ہوتے ہیں۔ جاگتے ہوئے لوگوں کو ڈراؤنے خواب نہیں آیا کرتے۔ دراصل اُمت مسلمہ پر اِن آزمائشوں کے ذریعے اُن کو غفلت اور بے حسی کی نیند سے جگانا اللہ تعالیٰ کا مقصود ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے مسلمانوں کی موجودہ زوال یافتہ حالت اور مرض کی نشان دہی فرمادی تھی۔ جب آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

''عنقریب غیر مسلم قومیں تم پر حملہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی جس طرح دستر خوان پر ایک دوسرے کو کھانے کے لیے دعوت دی جاتی ہے۔ ایک صحابیؓ نے پوچھا، کیا وہ ہماری تعداد کی کمی کی وجہ سے ہوگا؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس وقت تمہاری تعداد بہت ہوگی لیکن تمہاری حیثیت سمندر کے جھاگ کی طرح ہوگی جسے پانی بہالے جاتا ہے۔ اللہ تمہارا رعب و دبدبہ تمہارے دشمنوں کے سینوں سے نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں وہن کی بیماری ڈال دے گا۔

کسی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہن" کیا ہے؟"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

حُبُّ الدُّنیَا وَ کَرَاھِیَةُ الْمَوْتِ یعنی دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔

(سنن ابی داؤد۔ کتاب الملاحم۔ مسند احمد)

آج کے مادیت پرست دور میں مسلمان اپنی تخلیق کے اصل مقصد کو بھول گئے ہیں جو کہ ہر لمحے اللہ کی عبادت اور اس کے احکامات پر عمل کرنا ہے۔

وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۔ (سورۃ الذاریات)

"ہم نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کیا کریں۔"

اور جیسا کہ پنجابی صوفی شاعر سلطان باہوؒ نے فرمایا تھا:

جو دم غافل سو دم کافر، مرشد ایہہ پڑھایا ہو
سنیا سخن گئی کھل اکھیاں، چت مولا ول لایا ہو

آج مسلمانوں کے زوال کا اصل سبب ان کے پاس مادی وسائل کی کمی نہیں، تعداد کی کمی نہیں، علم کی کمی نہیں بلکہ صرف ایک چیز کی کمی ہے اور وہ ہے ایمان کی کمی۔ آج مسلمان امت اگر اپنے ایمان کو مضبوط کر لے تو وہ اپنے زوال کی حالت کو فتح میں بدل سکتی ہے۔

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

امام مالکؒ نے فرمایا تھا:

لَنْ یُّصْلِحَ آخِرَ ھٰذِہِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِھَا اَوَّلُھَا۔

"اس امت کے بعد کے لوگوں کی اصلاح اسی چیز سے ہوگی جس سے اس کے پہلے لوگوں (یعنی صحابہؓ) کی اصلاح ہوئی تھی۔"

صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین اپنے دور کے نومسلم تھے۔ ایمان ان کو وراثت میں

نہیں ملا تھا بلکہ ان کی شعوری دریافت تھی جس کے لیے انہوں نے بے شمار قربانیاں دیں۔ بعض صحابہؓ نے تو اپنی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کر دیا۔ یہ صحابہؓ کے ایمان کی حرارت تھی کہ دنیا کی جس سمت میں بھی انہوں نے اپنے قدم رکھے، وہاں کی پوری پوری آبادیاں اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہو گئیں۔ صحابہ کرامؓ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ ہمارا اس دنیا میں آنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ کون کیسے عمل کرتا ہے۔ سورۃ الملک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاتَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ۔

ترجمہ: اس اللہ نے موت اور زندگی کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ دیکھے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے اور وہ زبردست اور معاف کرنے والا ہے۔ (سورۃ الملک: آیت ۲)

صحابہ کرامؓ اس حقیقت سے بھی بخوبی آگاہ تھے کہ اسلام صرف منہ سے دعوائے ایمان کا نام نہیں ہے بلکہ عملاً کر کے دکھانے کی چیز ہے یعنی اسلام صرف (Lipservice) کا قائل نہیں ہے کیونکہ

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

قول کے ساتھ عمل نہایت ضروری ہے کیونکہ جیسا کہ انگریزی کا محاورہ ہے: Actions speak louder than words

صحابہ کرامؓ نے قرآن کو اپنی زندگیوں کے لیے ایک عملی تجربہ (Living Experience) بنا لیا تھا۔ وہ قرآن سے تبرک حاصل کرنے کی بجائے اس کے احکامات پر عمل کرنے پر یقین رکھتے تھے۔ صحابہؓ نے قرآن کو رسمی کتاب (Ceremonial Book) بنانے کی بجائے اسے عملی کتاب (Book of Action) بنایا تھا اور اپنی

زندگیوں پر نافذ کیا ہوا تھا۔ اصحاب رسول ﷺ سورۃ العنکبوت میں اللہ کی طرف سے دی گئی تنبیہ سے واقف تھے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔ (آیت:۲)

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ''ہم ایمان لائے'' اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟''

آج اکثر مسلمان اسلام کی اسی لیے قدر نہیں کرتے کیونکہ اسلام انہیں وراثت میں ملا ہے۔ انہیں اسلام کو دریافت کرنے یا اسلام کے احکامات پر عمل کرنے میں کوئی مشکلات پیش نہیں آئیں۔ اس کے برعکس ہم اگر آج بھی نومسلموں کی زندگیوں پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھیں گے کہ ایمان ان کی شعوری دریافت ہے۔ اسلام کو پانے کے لیے انہوں نے بہت تگ ودو کی ہے۔ اسلام پر چلنے کے لیے انہوں نے کبھی اپنے خاندان اور کبھی پوری سوسائٹی کی مخالفت مول لے لی لیکن اس کے باوجود ایمان کی نعمت کو گلے سے لگائے رکھا اور اپنی زبان پر حرف شکایت تک نہ لائے۔ وہ اس حقیقت کو سمجھ گئے کہ:

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اُن نومسلموں نے اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ اپنی عیش و آرام کی زندگی کو خیر باد کہہ کر اسلامی علوم کی تحصیل کے کٹھن سفر کو اختیار کیا۔ اگر ان کے بچوں اور خاوند یا بیوی نے اسلام کی مخالفت کی تو انہوں نے اسلام کی خاطر ان کی ناراضگی مول لینے میں جھجک محسوس نہیں کی۔

بقول مولانا محمد علی جوہرؒ:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں خود کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

اس کتاب میں ایسے مغربی نومسلموں کے حالات زندگی پیش کیے جائیں گے تاکہ وہ ہماری روحوں کو گرمائیں اور ہمارے ایمان کے لیے مہمیز کا کام دیں۔ علاوہ ازیں اس کتاب میں انسانی دل کی ذہانت کے منبع کی حیثیت سے جدید سائنسی تحقیقات بیان کی جائیں گی اور انسانی دل کے قبول اسلام سے تعلق کو بھی بیان کیا جائے گا۔ بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں جرمنی کے عظیم فلسفی اور ماہر تعلیم روڈالف سٹائنر (Rudolf Steiner) نے کہا تھا:

"بیسویں صدی کی سائنس کی سب سے بڑی دریافت یہ ہوگی کہ انسانی دل صرف ایک پمپ (Pump) نہیں ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہے اور آنے والے دور میں انسانیت کو سب سے بڑا چیلنج یہ ہوگا کہ ہمیں دل کی ذہانت سے استفادے کے مواقع مہیا کیے جائیں۔"

(بحوالہ Wild Duck Review Vol.4, 1998)

باب دوئم

ذہانت کا منبع: انسانی دل یا دماغ......
جدید سائنس کی روشنی میں

انسانی دل کے لیے عربی کا لفظ ''قلب'' استعمال ہوتا ہے اور یہ قرآن کریم میں کم وبیش 130 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔قرآن نے واضح الفاظ میں انسانی ذہانت کا منبع انسانی دل کو قرار دیا ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا(سورہ الاعراف:179)

ترجمہ:ان کے پاس دل ہیں جن سے وہ سوچتے نہیں ہیں۔

اسی طرح سورۃ الحج میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (الحج: 46)

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے اور ان کے کان سننے والے ہوتے ؟حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہوجاتے ہیں جوسینوں میں ہیں۔

قرآن کی ان آیات سے دو باتیں پتہ چلتی ہیں:

ایک یہ کہ ذہانت کا منبع انسانی دل ہے۔دوسرے یہ کہ ہدایت کا راستہ اختیار کرنے

یا گمراہی کی راہ قبول کرنے کا تعلق دل سے ہے۔اگر انسان کا دل اندھا ہو جائے تو انسان کو اپنی آنکھوں کے سامنے بالکل صاف اور واضح طریقے سے آیا ہوا حق بھی نظر نہیں آتا۔اس کے کان حق بات کو سننے سے انکار کر دیتے ہیں۔اس کا دماغ حیلوں بہانوں سے اسے الجھا کر رکھ دیتا ہے۔حق کو قبول کرنے میں دل کے اہم کردار پر قرآن میں اور بھی بہت سی جگہوں پر تذکرہ ملتا ہے سورۃ ق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ O (آیت:37)

ترجمہ:اس (قرآن) میں عبرت کا سبق ہے ہر اس شخص کے لیے جو دل رکھتا ہو یا جو توجہ سے بات کو سنے۔

قرآن کے مطابق انسانی دل، معدے یا آنتوں یا جگر کی طرح گوشت کا ایک لوتھڑا نہیں اور جسم کو خون پہنچانے کا ایک پمپ (Pump) نہیں بلکہ ایک سوچنے سمجھنے والا عضو ہے۔یہی وجہ ہے کہ کانوں اور آنکھوں کے علاوہ انسانی دل سے بھی قیامت والے دن سوال کیا جائے گا جیسا کہ سورۃ الاسراء میں بیان ہوا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا۔ (آیت:36)

”کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس (قیامت کے دن) ہونی ہے۔“

قیامت کے دن کامیاب وہی ہوگا جو اپنے رب کے حضور کفر و شرک اور گناہوں سے پاک دل لے کر حاضر ہوگا۔

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ O اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ O

یعنی: قیامت کے روز نہ مال کوئی فائدہ دے گا نہ اولاد، بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم

لیے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو۔

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی انسانی دل کو ہدایت یا گمراہی کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے نعمان بن بشیرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّه، وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّه اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (بخاری۔ مسلم)

''بے شک انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ایسا ہے کہ اگر وہ صحیح رہے تو پورا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے خبردار ہو کہ وہ ''دل'' ہے۔''

اس حدیث مبارکہ کی شرح میں علامہ ابن رجب حنبلیؒ لکھتے ہیں: ''ہم دل کو تمام جسم کا بادشاہ کہہ سکتے ہیں۔ جب کہ جسم کے تمام اعضاء اس کے مطیع فوجی ہیں۔ اگر بادشاہ نیک ہوگا تو اس کی ماتحت افواج بھی نیک ہوں گی اور اگر بادشاہ فاسق اور گنہگار ہوگا تو اس کے ماتحت بھی فاسق بن جائیں گے۔'' (جامع العلوم والحکم فی شرح اربعین نووی۔ مطبوعہ مصر، 1980ء)

جسم کے دل کے فاسق اور خراب ہونے سے جسم کی ظاہری بیماریاں بھی ظاہر ہوتی ہیں اور روحانی بیماریاں بھی۔

انسانی دل، مسلمان علماء کے مطابق

اسلامی علماء اور صوفیاء قرآن سے حاصل کی گئی بصیرت کی وجہ سے کئی صدیاں پہلے اس حقیقت سے باخبر تھے کہ انسانی جسم میں دل نہایت اہم حیثیت رکھتا ہے۔ حجۃ الاسلام امام ابو حامد غزالیؒ نے اپنی علمی شاہکار کتاب ''احیاء العلوم'' میں انسانی دل کے متعلق تفصیل سے بحث کی ہے۔ وہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

''گو کہ روحانی دل (قلب) جو کہ روح کا کنٹرول سنٹر ہوتا ہے وہ انسان کے جسمانی دل سے مختلف ہے لیکن دونوں کی کارکردگی (Functioning) کا آپس میں گہرا رابطہ ہوتا ہے... دل میں

جو خصوصیت بھی پیدا ہوتی ہے' اس کے اثرات تمام جسم کے اعضاء تک پھیل جاتے ہیں اور وہ اعضاء اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح سے انسانی جسم کے اعضاء جو عمل بھی کرتے ہیں (اچھے عمل یا برے عمل) ان کے اثرات دل پر مرتب ہوتے ہیں اور یہ چکر انسانی جسم میں (Circular Fashion میں) چلتا رہتا ہے۔"

علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزی " اپنی کتاب "منہاج القاصدین" (مطبوعہ ادارہ معارف اسلامی لاہور، 1992ء) میں انسانی دل کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"معلوم ہونا چاہیے کہ انسانی جسم میں سب سے زیادہ اعلیٰ وافضل عضو دل ہے۔ یہی اللہ کو جانتا ہے، اس کے لیے عمل کرتا ہے اور اس کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اللہ کے قریب کرنے والا اور صاحب مکاشفہ بھی یہی ہے اور اعضاء اس کے تابعدار اور خادم ہیں۔ وہ ان سے اس طرح کام لیتا ہے جیسے بادشاہ غلاموں سے۔ یہ سچ ہے کہ جس نے اپنے دل کو پہچانا اس نے رب کو پہچانا۔"

علامہ ابن قیم الجوزیہ " انسانی دل اور دماغ کے درمیان تعلق کے متعلق بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب "مفتاح دار السعادۃ" (عربی، جلد 1، صفحات 187 سے 283) میں لکھتے ہیں:

"حقیقت بہر حال یہ ہے کہ علمی تحریک کی ابتداء دل سے ہوتی ہے اور بعد میں اس کا اظہار اور اس کے ثمرات دماغ سے ظاہر ہوتے ہیں۔"

مولانا جلال الدین رومی نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "مثنوی مولانا روم" میں دل کی ذہانت کو دماغ کی ذہانت سے اعلیٰ وارفع قرار دیا ہے۔ مثنوی میں اس موضوع پر ان کے جو فارسی اشعار ہیں ان کا اردو نثری ترجمہ درج ذیل ہے:-

"ذہانت کی دو اقسام ہیں۔ ایک وہ ذہانت ہے جو بچہ سکول میں حاصل کرتا ہے، کتابوں اور

اساتذہ سے، نئے خیالات ونظریات کوزبانی یاد کر کے۔تمہاری ذہانت ہوسکتا ہے کہ دوسروں سے برتر ہو جائے لیکن اس سارے علم کو سنبھال کر رکھنا ایک عظیم بوجھ ہے۔تم جو کہ علم کی تلاش میں مصروف ہو،تمہاری حیثیت لوح محفوظ کی طرح لیکن اصل لوح محفوظ ان تمام چیزوں سے بہت بلند ہے۔دوسری قسم کی ذہانت دراصل اللہ کا عطیہ ہے جو کہ ایک چشمے کی طرح ہے جو روح کے اندر سے پھوٹتا ہے۔جب کہ خدا کے عطا کردہ علم کا چشمہ انسان کے سینے سے پھوٹتا ہے تو وہ پرانا یا گدلا نہیں بنتا۔اگر اس کا باہر کا راستہ بند بھی کر دیا جائے۔تو کیا ڈر ہے کہ اس چشمے کا منبع اور گھر انسان کا دل ہوتا ہے۔اس لیے دل کے چشمے سے علم حاصل کرو۔"

(مثنوی مولانا روم،جلد 4،1960-68)

مسلمان علماء علم حقیقی کا اصل ماخذ انسانی دل کو قرار دیتے تھے اور اسی لئے انسانی قلب کے جمود (Stagnation) کو انسانی ذہانت کا جمود قرار دیتے تھے۔اسی لیے شیخ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے تھے:

اَلسُّکُوْنُ حَرَامٌ عَلٰی قُلُوْبِ اَوْلِیَائِهٖ. (کشف المحجوب۔از شیخ علی ہجویریؒ)

(اللہ کے دوستوں اور اولیاء کے دلوں پر سکون حرام ہوتا ہے۔)

شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری میں دل کے متعلق کثرت سے حوالے ملتے ہیں۔جن میں انہوں نے دل کو علم حقیقی کا منبع قرار دیا ہے۔بلکہ اقبالؒ نے عشق کو دل سے منسوب کیا ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

بانگ درا میں ایک نظم کا عنوان ہی "عقل ودل" ہے جس میں آپ نے دماغ اور دل کے درمیان مکالمہ پیش کیا ہے جو کہ درج ذیل ہے:

عقل و دل

عقل نے ایک دن یہ دل سے کہا
بھولے بھٹکے کی رہنما ہوں میں
ہوں زمیں پر، گذر فلک پہ مرا
دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں
کام دنیا میں رہبری ہے مرا
مثل خضر خجستہ پا ہوں میں
ہوں مفسر کتاب ہستی کی
مظہر شان کبریا ہوں میں
بوند اک خون کی ہے تو لیکن
غیرت لعل بے بہا ہوں میں
دل نے سن کر کہا یہ سب سچ ہے
پر مجھے بھی تو دیکھ کیا ہوں میں !
راز ہستی کو تو سمجھتی ہے
اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں !
ہے تجھے واسطہ مظاہر سے
اور باطن سے آشنا ہوں میں
علم تجھ سے تو معرفت مجھ سے
تو خدا جو، خدا نما ہوں میں
علم کی انتہا ہے بے تابی
اس مرض کی مگر دوا ہوں میں
شمع تو محفل صداقت کی
حسن کی بزم کا دیا ہوں میں
تو زمان و مکاں سے رشتہ بپا
طائر سدرہ آشنا ہوں میں
کس بلندی پہ ہے مقام مرا
عرش رب جلیل کا ہوں میں

دلچسپ بات یہ ہے کہ جدید سائنس نے حال ہی میں یہ دریافت کیا ہے کہ انسانی دل بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے جب کہ مسلمان علماء نے انسانی دل اور اس کی ذہانت کے متعلق اس دور میں لکھا جب کسی قسم کے میڈیکل آلات (Biomedical Instruments) موجود نہیں تھے لیکن انسانی دل کے متعلق اُن علماء کی معلومات ایک جدید دور کے سائنس دان سے کسی صورت بھی کم نہیں۔

انسانی دل کے اندر چھوٹا سا دماغ......جدید سائنسی تحقیق:

انیسویں صدی حتیٰ کہ بیسویں صدی کے نصف تک سائنس دانوں کے حلقوں میں انسانی دل کو صرف خون کو پمپ کرنے والا ایک عضو ہی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن پھر کچھ مزید سائنسی تحقیقات ہوئیں تو سائنس، دل کے متعلق اس بات کو سمجھنا شروع ہوئی جو قرآن نے اور آقائے نامدار ﷺ نے چودہ سو سال پہلے کہی تھی۔ جیسا کہ تفسیر قرآن کے ماہر صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

مِنْ اٰیَاتِہٖ مَا لَا تُفَسَّرُ اِلَّا بِمُرُوْرِ زَمَانٍ

اس قرآن میں ایسی آیات ہیں جنہیں صرف وقت گزرنے کے ساتھ ہی سمجھا جائے گا۔ (یعنی جیسے جیسے سائنسی علوم ترقی کریں گے)

انسانی دل کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہوا کہ جدید سائنس نے انسانی دل کے متعلق اب یہ سمجھنا شروع کیا ہے کہ اس میں بھی ذہانت کے خانے ہیں۔ انسانی دل پر جدید تحقیقات کی بنیاد پر کینیڈا کے سائنس دان ڈاکٹر جے اینڈریو آرمر (Dr. J. Andrew Armour, M.D. P.H.D) نے ایک نئے میڈیکل فیلڈ کی بنیاد رکھی ہے، جس کا نام ہے نیورو کارڈیالوجی (Neurocardiology) یعنی انسانی دل کا اعصابی نظام (Nervous System) ڈاکٹر آرمر نے دل کے اعصابی نظام کے لیے "دل کے اندر چھوٹا سا دماغ" (a little brain in the heart) کی اصطلاح وضع کی ہے۔

یہ اس لیے کہ انہوں نے دریافت کیا ہے کہ انسانی دل کے اندر تقریباً چالیس ہزار (40,000) اعصابی خلیے (Nerve cells) پائے جاتے ہیں۔ یہ وہی خلیے ہیں جن سے دماغ بنتا ہے۔ یہ اتنی بڑی تعداد ہے کہ دماغ کے کئی چھوٹے حصے اتنے ہی اعصابی خلیوں سے

سے مل کر بنتے ہیں۔ مزید برآں دل کے یہ خلیے دماغ کی مدد کے بغیر کام کر سکتے ہیں۔ دل کے اندر پایا جانے والا یہ دماغ پورے جسم سے معلومات لیتا ہے اور پھر موزوں فیصلہ کرنے کے بعد جسم کے اعضاحتیٰ کہ دماغ کو بھی جوابی ہدایات بھیجتا ہے۔

علاوہ ازیں دل کے اندر موجود دماغ میں ایک طرح کی یاداشت(Short term Memory) کی صلاحیت بھی پائی جاتی ہے۔ دل کو دھڑکنے(Heart beat) کے لیے دماغ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ دل کی پیوند کاری کے آپریشن(Heart transplant operation) میں دل اور دماغ کے درمیان تمام رابطے کاٹ دیے جاتے ہیں اور جب دل نئے مریض کے سینے میں لگایا جاتا ہے تو وہ پھر سے دھڑکنا شروع کر دیتا ہے۔ ان تمام تحقیقات کو پیش کرنے کے بعد جو ڈاکٹر انڈریو آرمر اور ان کے معاون سائنس دانوں نے دل کے اعصابی نظام پر کی ہیں۔ ڈاکٹر آرمر اپنی کتاب(Neurocardiology: Anatomical and functional Principles...... مطبوعہ کیلیفورنیا 2003ء) میں لکھتے ہیں:

"The heart possesses it own little brain, capable of complex computational analysis on its own .....an understanding of the complex anatony and function of the heart's nervous system contributes an additional dimension to the newly emerging view of the heart as a sophisticated information processing center, functioing not only in concert with the brain but also independent of it."

(انسانی دل کے پاس اپنا چھوٹا سا دماغ ہوتا ہے جو اس قابل ہوتا ہے کہ وہ اپنی مدد آپ کے تحت مشکل قسم کے تجزیے کر سکتا ہے۔ دل کے اعصابی نظام کی ساخت اور کارکردگی کے متعلق جانے ... سے علم میں ایک نئی جہت کا اضافہ ہوا ہے جس کے مطابق انسانی دل نہ صرف دماغ

کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے بلکہ دماغ کی مدد کے بغیر آزادانہ طور پر فرائض ادا کرتا ہے۔)

دل اور دماغ کے مابین دوطرفہ گفتگو ۔ سائنسی ثبوت:

1970ء تک سائنس دان یہ سمجھتے تھے کہ صرف دماغ انسانی دل کو یک طرفہ احکام جاری کرتا ہے اور دل ہمیشہ ان کے مطابق کام کرتا ہے لیکن 1970ء کی دہائی میں امریکی ریاست اوہایو (Ohio) کے فیلس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (Fels Research institute) کے دو سائنس دانوں یعنی جان لیسی (John Lacey) اور اس کی بیوی (Beatrice Lacey) نے یہ حیرت انگیز دریافت کی کہ انسان کے دماغ اور دل کے درمیان دوطرفہ رابطہ (Two-way communication) ہوتا ہے۔ یہ تحقیق امریکہ کے نہایت مؤقر سائنسی جریدے "امریکن سائیکالوجسٹ" (American psychologist) کے 1978ء کے شمارے میں چھپی۔ تحقیق کا عنوان تھا:

"Two-way communication between the heart and the brain"

انہوں نے تجربات سے یہ دریافت کیا کہ جب دماغ جسم کے مختلف اعضا کو کوئی پیغام بھیجتا ہے تو دل آنکھیں بند کر کے اسے قبول نہیں کر لیتا۔ جب دماغ جسم کو متحرک کرنے کا پیغام (Arousal signal) بھیجتا ہے تو کبھی تو دل اپنی دھڑکن تیز کر دیتا ہے اور کبھی دماغ کے حکم کے خلاف پہلے سے بھی آہستہ ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل اپنی ہی کوئی منطق استعمال کرتا ہے۔ مزید برآں دل بھی دماغ کو کچھ پیغامات بھیجتا ہے جنہیں دماغ نہ صرف سمجھتا ہے بلکہ ان پر عمل بھی کرتا ہے۔

جان لیسی اور بیٹرس لیسی کی تحقیقات پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکی سائنس دان ڈاکٹر رولن میکریٹی (Dr. Rollin Mc Crety) اپنی کتاب Heart-Brain

Neurodynamics: the making of emotions (مطبوعہ کیلیفورنیا 2003ء) میں لکھتا ہے:

"As their research envolved, they found that the heart, in particular, seemed to have its own peculiar logic that frequently diverged from the direction of other ANS responses. in essence, the heart seemed to behave as if it had a mind of its own."

''جیسے جیسے ان کی تحقیق مزید آگے بڑھی تو انہوں نے دریافت کیا کہ دل کی اپنی مخصوص منطق ہے جو کہ اکثر اوقات جسم ودماغ سے مختلف سمت میں جاتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ انسانی دل اس طرح کام کرتا ہے کہ جیسے اُس کا ایک اپنا دماغ ہوتا ہے۔

امریکی سائنسدان پال پیئرسل، پی ایچ ڈی (Paul Pearsall, Ph.D) نے انسانی دل کی ذہانت پر اپنی کتاب ''The Heart,s Code'' (مطبوعہ نیویارک 1998ء) میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ ڈاکٹر پیئرسل بیان کرتا ہے کہ علوم انسانی کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ سائنس نے کئی سچائیوں کو بہت مشکل سے تسلیم کیا۔ 1800ء کی صدی کے وسط تک ڈاکٹر حضرات جراثیم کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اور اِس دوران میں کئی مریضوں کی اموات جراثیموں کی وجہ سے ہوئیں جب کہ اُس دور کے طبیب اپنا آپریشن کا نشتر (Scalpel) اپنے جوتے کے تلے کے چمڑہ سے تیز کرتے تھے جس سے نشتر پر جراثیم لگ جاتے اور جس مریض کا اس سے آپریشن کیا جاتا اس کی موت کا باعث بنتے۔

وہ اطباء (Doctors) اس بات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے کہ لوگ جراثیموں جیسی کسی مخلوق کے وجود کے قائل ہیں۔ بالآخر جب لیون ہک (Leewenhook) نے خوردبین (Microscope) ایجاد کی اور سائنسدانوں نے خود اپنی گنہگار آنکھوں سے جراثیموں کو دیکھا تو پھر ہر ہسپتال میں آپریشن سے پہلے ڈاکٹرز اپنے ہاتھ دھونا شروع ہو گئے

اورانہوں نے اپنے میڈیکل اوزاروں کو بھی جراثیموں سے پاک کرنا (Sterilize) شروع کر دیا۔ ڈاکٹر پیئر سل کے مطابق یہی حال سائنسدانوں اور ڈاکٹروں کا بالآخر دل کے معاملے میں ہوگا، جب انہیں پتہ چل جائے گا کہ انسانی دل بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر پیئر سل مزید لکھتا ہے "موجودہ دور میں انسانی دماغ سے کی گئی ایجادات کا تعلق بھی دماغ سے ہی ہے، دل سے نہیں۔ درحقیقت دماغ سے ہمیں صرف سائنسی ترقی ملی ہے جب کہ اخلاقی ترقی صرف دل سے ہی مل سکتی ہے۔" (بحوالہ: The Heart's Code)

ڈاکٹر پیئر سل کے مطابق پورے جسم میں دل کی ایک منفرد خصوصیت اس کا دھڑکنا (Rhythmicity) ہے۔ جسکی وساطت سے دل پورے جسم پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ہر دھڑکن کے ساتھ ہم دل کی موجودگی کو اپنے جسم میں محسوس کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کسی کلچر اور تہذیب کے کسی شخص کو لے لیں اور اس سے آپ کہیں کہ وہ اپنی ذات کی طرف اشارہ کرے تو کوئی شخص اپنے سر کی طرف اشارہ نہیں کرتا بلکہ اپنے دل کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے "میں" یہ کرتا ہوں یا "میں" کہتا ہوں۔

دراصل انسانی روح کا اصل مکان دل ہوتا ہے اور انسان کی "میں" دراصل اس کی روح ہی تو ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم بھی جب دل کا ذکر کرتے ہیں تو روح کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض مغربی عیسائی مصنفین اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں اس جنت کی یاد ابھی تک پائی جاتی ہے جس سے حضرت آدمؑ کو نکالا گیا تھا۔ مثلاً مغربی مصنف رچرڈ ہائن برگ (Richard Heinberg) اپنی کتاب "Memories and Visions of Paradise" (مطبوعہ لاس اینجلس، 1989ء) میں لکھتا ہے:

"ہماری مصروفیت بھری زندگی کے ہنگاموں کی تہہ میں ہمارے دلوں اور ہمارے اجسام کے خلیوں (Cells) کے اندر ایک کھوئی ہوئی جنت (A Paradise Lost) کی خفیہ یادیں پوشیدہ ہوتی ہیں جنہیں ہم جنت میں اپنی مشترکہ بچپن جیسی زندگی (Our shared paradisal infancy) کہہ سکتے ہیں"۔

محقق جوزف چلٹن پیئرس (Joseph Chilton Pearce) اپنی کتاب "The Evolutions End" (مطبوعہ سان فرانسسکو، 1992ء) میں قلب انسانی کے متعلق سائنسی تحقیقات کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

1۔ ہمارے ذہن کو ہمارے دل کا آلہ (Instrument) کہا جا سکتا ہے۔
2۔ ہمارے دل کو بذات خود انسانی زندگی کا آلہ کہا جا سکتا ہے۔
3۔ ہمارا دماغ اور ہمارا جسم کچھ اس طرح کی ساخت کے بنے ہیں کہ وہ دل سے آنے والی انفارمیشن کو ہمارے لیے منفرد تجربہ زندگی میں تبدیل کر سکیں۔ دماغ و بقیہ جسم دل سے آنے والی اس انفارمیشن کا لحہ بہ لحہ تجزیہ کرتے رہتے ہیں اور پھر اس نتیجے کو جذبات کی زبان میں دل تک دوبارہ پہنچاتے ہیں۔
4۔ دماغ سے آنے والی رپورٹوں کے جواب میں قلب انسانی پورے جسم کو اعصابی اور کیمیاوی (Neural and hormonal) سگنل بھیجتا ہے، ان میں تبدیلی لاتا ہے۔ اس تبدیلی کی وجہ سے زندگی کے متعلق ہمارا ایک خاص قسم کا تجربہ ہماری شخصیت پر ثبت ہو جاتا ہے۔

آخر میں محقق جوزف پیئرس قلب انسانی کے متعلق درج ذیل الفاظ میں خلاصہ کلام پیش کرتے ہیں:

"Our heart plays a major if fragile role in our overall consciousness."

(ہمارا دل ہماری سمجھ بوجھ اور شعور میں نہایت اہم گو کہ نازک کردار ادا کرتا ہے۔)

(The Evolution's End, Harper, San Francisco)

باب سوم

دماغ کی ذہانت اور دل کی ذہانت میں فرق

انسانی دماغ کی حیثیت معلومات سٹور کرنے والے سنٹر (Data Storage) جیسی ہے۔ یہ سیدھے اور منطقی (Logical) انداز میں کام کرتا ہے۔ انسانی دماغ کا اصل کام معلومات کو یاد کرنا، ان کا تجزیہ کرنا، ان کو متعلقہ خانوں میں سٹور کرنا اور موازنہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ معلومات ہمیں ہماری حسیات (senses) سے حاصل ہوتی ہیں۔ ماضی کی معلومات، تجربات اور یادداشتوں کی بنیاد پر ہماری حسیات سے مہیا ہونے والی نئی معلومات کو دماغ سٹور کرتا ہے۔ مغربی محقق ڈاک چلڈر (Doc Childre) کے مطابق گوکہ دماغ کا معلومات کا تجزیہ کرنے کا یہ طریقہ ہماری بقا کے لیے اہم ہے لیکن اس کے کچھ نقصانات بھی ہیں۔

چونکہ دماغ ہر نئی آنے والی معلومات کا سابقہ معلومات (جو پہلے سے دماغ میں موجود ہوتی ہیں) سے لاشعوری طور پر موازنہ اور مقابلہ کرتا ہے' اس لیے اگر کسی خاص طرز کی معلومات دماغ میں پہلے سے موجود نہ ہوں تو دماغ انہیں قبول کرنے میں پس وپیش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے لیے اپنے سابقہ نظریات اور پرانی عادات سے چھٹکارا حاصل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

اب جب معاملہ اللہ کی ذات پر ایمان کا آتا ہے تو دماغ اس مسئلے میں کنفیوز ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں قرآن میں فرمایا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوریٰ:١١)

اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

اسی بارے میں مشہور جرمن فلسفی کانٹ (Immanuel Kant) (1742ء

تا1804ء) نے اپنی کتاب ''The Critique of Pure Reason'' میں کہا تھا:

''خدا کی ذات کے ادراک کے بارے میں عقل انسانی بالکل ناکافی اور بے بس ہے''۔ دماغ چونکہ ہر نئی معلومات کا پرانی معلومات سے موازنہ کرتا ہے، اس لیے خدا کی ذات کے معاملے میں دماغ کو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس سے خدا کی ذات کا موازنہ کر سکے۔

اس لیے خدا کی ذات کے بلاواسطہ (Direct) ادراک سے دماغ قاصر رہتا ہے۔ دماغ اللہ کی ذات کا ادراک صرف اس کی تخلیقات پر غور وفکر کرنے سے ہی کر سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دماغ کی اِسی بے بسی کی طرف اشارہ کیا تھا جب آپؓ نے فرمایا تھا۔

اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْکِ الذَّاتِ اِدْرَاکٌ۔

اللہ کی ذات کے ادراک کی بے بسی ہی دراصل اس کا اصل ادراک ہے۔

اس کے برعکس انسانی دل انفارمیشن کی پیچیدگیوں میں کم ہی پڑتا ہے۔ بالکل اس طرح جیسے ٹارچ (Torch) میں سے نکلنے والی روشنی کی شعاع اندھیرے کو چیرتی ہوئی سیدھی اس چیز پر پڑتی ہے جو اہم ہوتی ہے۔ محقق ڈاک چلڈر (Doc Childre) اور ہاورڈ مارٹن (Howard Martin) اپنی کتاب The Heart Math Solution (مطبوعہ نیویارک 1999ء) میں لکھتے ہیں کہ انسانی دل کی ذہانت ایسی ہوتی ہے کہ وہ آنے والی معلومات کو منطق کی بجائے وجدانی (Intuitive) اور زیادہ بلاواسطہ (Direct) طریقے سے دیکھتی ہے۔

درحقیقت زندگی کی بہت سی ایسی حقیقتیں ہوتی ہیں جنہیں منطق سے اور عقل کے زور پر نہیں سمجھا جا سکتا۔ مثلاً غیب پر ایمان، خدا کی ذات پر ایمان، خدا کی ذات کا خوف وغیرہ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل کو ایسا بنایا ہے کہ وہ ایسی حقیقتوں کو سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح انسانی دل کی ذہانت اس قسم کی ہوتی ہے کہ دوسروں کا خیال کرتی ہے۔ (Humanistic Type) اور دوسروں کا درد محسوس کرتی ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اقبالؒ نے اشارہ کیا تھا:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اس کے برعکس مشہور ماہر نفسیات میہالی (Mihaly) اپنی کتاب The Evolving Self" میں لکھتا ہے کہ "انسانی دماغ کا یہ وصف ہے کہ وہ اپنے فنا ہونے سے خائف رہتا ہے اور صرف اپنی ذات کے متعلق سوچتا ہے۔ دماغ ہمیشہ بد سے بدتر کی توقع کرتا ہے اور اسکا میلان مایوسی کی طرف ہوتا ہے۔"

یعنی دماغ کی ذہانت خودغرض قسم کی ہوتی ہے۔ جسے صرف اپنی بقا سے غرض ہوتی ہے۔ ایسے حالات میں دماغ کی ذہانت کو آخرت کی بجائے دنیا کی فکر رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا تھا:

لَیسَ الْعِلْمُ كَثْرَةُ الرِّوَايَاتِ وَلٰكِنَّ الْعِلْمُ نُوْرٌ قَذَفَهُ اللّٰهُ بِقَلْبِ الْمُؤْمِنِ۔

یعنی علم معلومات کی کثرت کا نام نہیں ہے۔ بلکہ علم ایک نور ہے جسے اللہ مومن کے دل میں ڈال دیتا ہے۔

حقیقی علم معلومات کی کثرت کا نام نہیں بلکہ اللہ کی ذات کو پہچاننا، انسان کی تخلیق کے مقصد کو سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے اپنی کم مائیگی اور بے حیثیتی کو سمجھنے کا نام ہے۔ حقیقی علم کی کچھ ایسی ہی تعریف امام شافعیؒ نے بھی بیان کی تھی۔ جب آپؒ نے اپنے اشعار میں فرمایا تھا۔

شَكَوْتُ اِلٰى وَكِيعٍ، سُوْءَ حِفْظِ
فَاَرْشَدَنِىْ اِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِىْ

وَاَخْبَرَنِىْ بِاَنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ
وَنُوْرُ اللّٰهِ لَا يُعْطٰى لِعَاصِىْ

(دیوان شافعی)

میں نے اپنے استاد وکیع سے اپنے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے نصیحت

کی کہ میں گناہوں کو چھوڑ دوں۔ اور انہوں نے مجھے بتایا کہ علم ایک نور ہے اور اللہ تعالیٰ یہ نور کسی گنہگار کو عطا نہیں کرتا۔

ان اشعار میں امام شافعیؒ دل کے حافظے کی بات کر رہے ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ میں آتا ہے کہ ہر گناہ کی وجہ سے آدمی کے دل پر ایک سیاہ دھبہ (Black Dot) پڑ جاتا ہے۔ اگر آدمی گناہ سے توبہ کر لے تو وہ سیاہ دھبہ دل پر سے غائب ہو جاتا ہے۔ وگرنہ مزید گناہ کرنے کی وجہ سے وہ سیاہ دھبے بڑھتے رہتے ہیں حتیٰ کہ انسان کا دل مکمل طور پر سیاہ ہو جاتا ہے۔ یہاں امام شافعیؒ ذہن کے حافظے کی بات نہیں کر رہے کیونکہ وہ حافظہ تو بڑے بڑے سرکش اور گنہگار لوگوں کا بھی تیز ہوتا ہے لیکن اگر ان کا دل مردہ ہو تو وہ تیز ذہن ان کو جہنم کی آگ سے نہیں بچا سکتا۔ اس کے برعکس جو شخص اللہ کے احکامات کی اطاعت کرے، اللہ تعالیٰ اس کے دل میں علم کا نور ڈال دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کا حافظہ تیز کر دیتا ہے اور اسے دین کی صحیح سمجھ عطا فرما دیتا ہے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے:

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔

اللہ تعالیٰ جس سے بہتری کا ارادہ فرماتا ہے، اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔

باب چہارم

انسانی دل اور اسلامی عبادات

انسانی دل اور سجدہ:

ہماری روزمرہ کی زندگی میں ہمارے جسم میں دماغ کا مقام دل کے مقام سے بلند ہوتا ہے لیکن سجدہ ایک ایسی انوکھی حالت ہوتی ہے کہ جس میں انسان کا دل اس کے دماغ سے بلند ہو جاتا ہے اور قرآن اور حدیث کے مطابق سجدے کی حالت ایک ایسی حالت ہے جس میں بندہ اللہ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ سورۃ العلق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاسْجُدْوَ اقْتَرِبْ (سجدہ کرو اور (اپنے رب کا) قرب حاصل کرو)

اسی طرح حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَقْرَبُ مَایَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاَكْثِرُوْا الدُّعَاءُ۔ (صحیح مسلم)

بندہ سجدے کی حالت میں اپنے رب کے سب سے قریب ہوتا ہے، اس لیے اس حالت کو پکارو۔

گویا سجدے کی حالت جس میں دل، دماغ سے بلند ہوتا ہے، مقام انسانی کی معراج ہے کیونکہ وہ اس حالت میں اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے معراج کے سفر میں اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کی آنکھ سے دیکھا جیسا کہ سورۃ النجم

میں بیان ہوا ہے:

مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی (آیت:11)

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے) دل نے جو کچھ دیکھا وہ جھوٹ نہیں دیکھا۔

مغربی نومسلم مفکرین چارلس گائی ایٹن (Charlas Gai Eaton) اپنی کتاب "اسلام اور تقدیر انسانی" (Islam and the Destiny of Mankind) میں انسانی دل کے متعلق لکھتا ہے:

"دل دراصل وہ مرکز ہے جس کا محیط ہماری شخصیت ہے۔ دل اگرچہ ہمارے اندر ہوتا ہے لیکن یہ ہمارا نہیں خدا کا ہوتا ہے اور ازل سے خدا ہی کے پاس موجود ہے اور چونکہ یہ ہمارے اندر بھی ہے، اس لیے یہی وہ جگہ ہے جہاں وہ موجود بھی ہے اور محیط کل بھی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اگر ہم اپنے باطن کی تمام ظلمتوں اور خوابوں کو چیرتے ہوئے داخل ہو جائیں تو ہم خود کو ایک ایسی کھلی جگہ میں پائیں گے جہاں ہر چیز موجود ہوگی۔ اس لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ یعنی جس نے اپنا آپ جان لیا، اس نے اپنے رب کو جان لیا۔

اور ایک حدیث قدسی ہے (اللہ فرماتا ہے) میری جگہ نہ زمین میں ہے نہ آسمانوں میں۔ اگر میری جگہ ہے تو میرے مومن بندے کے دل میں ہے۔

کچھ لوگ اس حدیث قدسی کو غیر مستند سمجھتے ہیں۔ تاہم اس کی روح ہمیں اسلام کی بہت سی بنیادی تعلیمات میں کارفرما نظر آتی ہے اور اس کی صدائے بازگشت ہمیں عیسائیت میں بھی سنائی دیتی ہے۔ نہ صرف انجیلس سائی لیس (Angelus Sileius) کی اس تحریر میں (ہو سکتا ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوا ہو) جس میں اس نے لکھا ہے کہ:

"سب سے اعلیٰ سب سے عظمت والے (رب) کو کسی پیمانے سے ناپا نہیں جا سکتا۔ پھر بھی

وہ ایک انسانی دل میں پوری طرح سما جاتا ہے۔''

یہ بات انجیلس ہی نے نہیں کہی، مائسٹر ایکہارٹ (Miester Eckherdt) نے بھی کہا ہے کہ: ''خدا بے شمار زمینیں اور آسمان بنا سکتا ہے پھر بھی ان کی (آسمانوں اور زمینوں کی) وقعت اس قلب سے جو خدا سے لو لگا لے، ایک سوئی کی نوک سے زیادہ نہیں''۔ اگر کسی مومن کے قلب میں خالق کے لیے جگہ ہو تو یقیناً اس کی روح میں مخلوق کے لیے بھی جگہ ہوگی۔ انسان اپنے اندر بھی کائنات لیے بیٹھا ہے۔

یہاں ہمیں زمین پر انسان کے خلیفۃ اللہ ہونے کا ایک اور اشارہ ملتا ہے۔ انسانی قالب جو انسان کے وجود کا مرکز ہے، وہ مقام ہے جہاں ''دو سمندر'' ملتے ہیں۔ یہ ثریا اور ثریٰ میں نقطہ اتصال ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دل کی آنکھ ہی سے خدا ہمیں دیکھتا ہے اور ہم خدا کو دیکھتے ہیں۔ (بحوالہ: اسلام اور تقدیر انسانی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ 1989ء)

اسی بات پر ایک برطانوی نومسلم مفکر مارٹن لنگز (Martin Lings) (اسلامی نام ابوبکر سراج الدین) اپنی کتاب "The Book of Certainty" میں اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

''اگر زمین کو کسی بے وزن گھر سے تشبیہ دی جائے تو انسان کی حیثیت اس گھر کے دیدبان کی سی ہے اور اس کے دل کی آنکھ کو اس دیدبان کی وہ واحد کھڑکی کہنا چاہیے جس کی طرف اس گھر کے رہنے والے اکتساب نور کے لیے متوجہ رہتے ہیں۔

اس آنکھ کے بغیر انسان اپنی فطرت اصلی سے گر کر اپنے بنیادی فرائض ومقاصد بجالانے سے قاصر رہتا ہے لیکن اگر اس کے اندر یہ آنکھ کھلی ہوئی ہے تو وہ روحانی روشنی کا اس زمین پر واحد برتن بن جاتا ہے جسے وہ اپنی ہم جنس مخلوق میں بانٹتا ہے۔...... یہاں تک کہ باوجود اس بات کے کہ وہ آسمانوں کا مالک نہیں۔ آسمان جھک کر اس کے اندر زمین کو چھوتے ہیں جو اس کا بلند ترین مقام ہے۔''

انسانی دل اور نماز باجماعت:

قرآن وحدیث میں مرد حضرات کے لیے باجماعت نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس کا ثواب تنہا نماز کے مقابلے میں 27 گنا زیادہ بتایا گیا ہے۔ (بخاری و مسلم) باجماعت نماز کی برکات کے سلسلے میں ایک دلچسپ تحقیق ملاحظہ ہو۔

نامور امریکی مفکر جوزف چلٹن پیئرس (Joseph chilton Pearce) اپنی کتاب "The Biology of Transendence" میں لکھتا ہے کہ اگر لیبارٹری میں ہم دل کے ایک خلیے کو شیشے کی پلیٹ (Slide) پر رکھ کر خوردبین سے اس کا معائنہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ وہ خلیہ (Heart Cell) کچھ دیر دھڑکنے کے بعد قوت کھو دیتا ہے اور مر جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ہم دل کے دو خلیے ایک دوسرے سے دور سلائڈ پر رکھ دیں تو وہ بھی کچھ دیر دھڑکنے کے بعد مر جاتے ہیں۔ لیکن اگر ہم انہی دو خلیوں کو ایک دوسرے سے قریب کر کے رکھیں تو وہ دونوں ایک ہی تناسب (Rhythm) سے دھڑکنا شروع کر دیتے ہیں اور وہ مرتے نہیں۔ یہی حال سالم دل کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس کے تمام خلیے متحد ہو کر ایک ہی تناسب (Rhythm) کے ساتھ دھڑکتے ہیں جس کی وجہ سے دل ایک انتہائی مضبوط عضو ہے۔ اس کی وجہ جوزف پیئرس کے مطابق یہ ہے کہ جب دل کے خلیوں میں سے نکلنے والی Electromagnetic قوت کی لہریں ایک ہی تناسب اختیار کر لیں تو وہ ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔ یہی حال بڑے درجے پر بہت سے لوگوں کا ہوتا ہے۔ جب وہ ایک جگہ موجود ہوں۔ جب وہ لوگ مل کر کوئی کام کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں تو ان کے دل مل جاتے ہیں۔ یہیں سے اسلام کی نماز کے دوران صفیں سیدھی کرنے کی حکمت بھی سمجھ آتی ہے۔ نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ ثَلَاثًا وَاللّٰہُ لتقیمن صُفُوْفَکُمْ اویخالفن اللّٰہُ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ (سنن ابی داؤد)

''نماز میں اپنی صفوں کو تین بار برابر کرو، قسم خدا کی تم اپنی صفوں کو برابر کرو ورنہ تمھارے دلوں میں اختلاف پڑ جائے گا۔''

براء بن عازب سے روایت کردہ دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:
لَا تَخْتَلِفُوْا فتخلف قُلُوْبُكُمْ . (سنن ابی داؤد)
''نماز کی صفوں میں آگے پیچھے مت ہو ورنہ تمہارے دل بھی مختلف ہو جائیں گے۔''
رسول اللہ ﷺ نے واضح فرمادیا کہ اگر نمازی صفیں سیدھی نہیں رکھیں گے تو ان کے دل بھی تناسب (Rhythm) کے بغیر دھڑکیں گے اور ان کے قلوب میں اتحاد نہیں رہے گا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اتنا زور دیا کہ وابصہ بن معبدؓ کی روایت کے مطابق حضور ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھ رہا تھا تو آپ ﷺ نے اسے نماز دہرانے کا حکم دیا۔
(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)
اور علماء نے ایسے شخص کی نماز کو مکروہ قرار دیا ہے۔ (نیل الاوطار)

انسانی دل اور کعبے کا طواف:

طواف کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کے اردگرد چکر لگانا اور گھومنا اور اصطلاح میں طواف سے مراد ہے بیت اللہ کے گرد والہانہ گھومنا اور چکر لگانا۔ قرآن کے مطابق سطح زمین پر خدا کی عبادت کے لیے سب سے پہلا گھر جو تعمیر کیا گیا' وہ یہی بیت اللہ ہے:
اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ. (آل عمران:96)
''بلاشبہ سب سے پہلا عبادت کا گھر جو انسان کے لیے تعمیر کیا گیا' وہ وہی مکے میں ہے۔''

طواف زیارت حج کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ دراصل بیت اللہ دین کا منبع اور مرکز ہے۔ اس کائنات میں ہر نظام کا کوئی مرکز ومحور ہوتا ہے۔ ہمارے نظام شمسی کا محور سورج

ہے۔اسی طرح ایک ایٹم میں نیوکلئس (Nucleus) کے گرد تمام الیکٹران (Electron) گھومتے ہیں اوران سب کی حرکت گھڑی کی مخالف سمت میں (Counter clockwise movement) ہوتی ہے۔چاہے یہ کوئی سیارہ ہو یا کوئی چاند ہو یا ایٹمی درجہ (Atomic level) پر الیکٹران یا پروٹان ہوں۔اسی طرح امت مسلمہ کا مرکز کعبۃ اللہ ہے۔دلچسپ بات یہ ہے، چونکہ اسلام "دین فطرت" ہے، اس لیے مسلمان بھی طواف کے دوران کعبہ کے گرد گھڑی کی مخالف سمت میں (Counter clockwise) چکر لگاتے ہیں۔بعض علمائے اسلام کے مطابق طواف کے دوران ہم کعبہ کے گرد (Counter clockwise) اس لیے چکر کاٹتے ہیں کیونکہ اس طرح ہمارے دل کا جھکاؤ کعبہ کی طرف ہوتا ہے۔انسانی روح کا منبع آسمان ہے اور چونکہ انسانی دل روح کا مرکز ہوتا ہے' اس لیے طواف کے دوران دل جو انسان کے بائیں طرف ہوتا ہے، اس کے کعبے کی طرف جھکاؤ سے اس کی تسکین ہوتی ہے۔

(بحوالہ میری کتاب The Intelligent Heart, The Pure Heart)

انسانی دل اور ذکر الٰہی:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف ایک دل عطا کیا ہے۔جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

مَّا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ (سورۃ الاحزاب:4)

"اللہ نے کسی شخص کے جسم میں دو دل نہیں رکھے۔"

یہ آیت بذات خود ایک سائنسی معجزہ ہے کیونکہ قرآن کے نزول کے وقت انسانی علم تشریح الاعضاء۔(Human Anatomy) اپنی نہایت ابتدائی مراحل میں تھی۔بہر حال اس آیت کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے یہ دل صرف ایک خدا کی بندگی کے لیے بنایا ہے' اسی

لیے اللہ نے انسان کو ایک دل عطا کیا ہے۔اس دل میں انسان اللہ اور شیطان یا دنیا کی محبت کو ایک ساتھ جمع نہیں کرسکتا۔اس دل کے اندر یا تو اللہ کی محبت سماتی ہے یا پھر دنیا کی محبت۔جس طرح اللہ نے انسان کو ایک زبان اپنا ذکر کرنے کے عطا کی ہے اسی طرح ایک دل ایک رب کی یاد کے لیے عطا فرمایا ہے۔اور انسانی دل کی یہ نیچر ہے کہ چاہے دنیا کی نعمتوں کے انبار اس کے سامنے لگ جائیں لیکن انسان کے دل کو اطمینان اور قرار اپنے خالق سے لو لگانے میں ہی آتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمادیا ہے:۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبِ .(سورۃ الرعد:28)

''خبردار رہو!اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے۔''

اللہ کے ذکر میں بہت سی چیزیں اور نیک اعمال شامل ہیں لیکن قرآن اللہ کا سب سے بڑا ذکر ہے۔قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ o(سورۃ الحجر: آیت 9)

''ہم نے ہی یہ ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔''

چونکہ انسانی روح کی آماجگاہ اور مرکز انسانی دل ہوتا ہے اس لیے انسانی دل کو قرآن کی تلاوت سے سکون اور سرور ملتا ہے۔اس وجہ سے تلاوت قرآن کے انسانی جسم اور انسانی دل پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

برطانوی نومسلم مصنف چارلس گائی ایٹن (حسن عبدالحکیم) اپنی کتاب Islam and the Destiny of man'' (مطبوعہ نیویارک 1985ء) میں لکھتے ہیں کہ'' قرآن کے الفاظ تلاوت سننے والوں کی شخصیت کے ہر گوشے پر اثر انداز ہوتے ہیں کیونکہ جس طرح قرآن ''کلام الٰہی'' ہے،اسی طرح ہماری روح بھی اللہ ہی کے کلام (امر ربی) سے وجود میں آتی ہے،اس طرح دونوں میں گہری مناسبت ہے''۔

اسی لیے رسول کریم ﷺ خود بھی انتہائی خوش الحانی سے تلاوت قرآن کرتے تھے (کفار مکہ کے سردار راتوں کو چھپ کر آپ ﷺ کی خوبصورت سنتے تھے) اور آپ ﷺ نے

خوبصورت آواز سے تلاوت قرآن کی تلقین فرمائی:

زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ. (سنن ابوداؤد)

''قرآن کو خوبصورت آواز سے تلاوت کرو۔''

کفار مکہ کے ایک سردار جبیرؓ بن مطعم جب مدینہ میں داخل ہوئے اور حضور ﷺ کو مغرب کے وقت سورہ الطور کی تلاوت کرتے سنا تو ان کے الفاظ میں ان کا دل اثر کر اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اسی طرح جب عمرؓ بن خطاب کی بہن فاطمہؓ بنت خطاب نے سورۃ طٰہٰ کی آیات پڑھ کر اپنے بھائی کو سنائیں تو عمر فاروقؓ کا دل فوراً موم ہو گیا اور جو دل کچھ دیر پہلے حضور ﷺ کو معاذ اللہ قتل کرنا چاہتا تھا، وہ حضور ﷺ کا سب سے بڑا عاشق بن گیا۔

جسم اور دل:

تلاوت قرآن کے معجزاتی اثرات نہ صرف جسم پر مرتب ہوتے ہیں بلکہ انہیں جدید سائنسی آلات سے ناپا بھی جاسکتا ہے۔ امریکی ریاست فلوریڈا کے اکبر کلینکس میں مسلم سائنسدان ڈاکٹر احمد القاضی نے اس سلسلے میں میڈیکل آلات کے ذریعے انسانی جسم پر تلاوت قرآن کے اثرات کا تجزیہ کیا۔ اس تحقیق کے نتائج یہ تھے کہ قرآن کی تلاوت سننے والوں (چاہے وہ عرب تھے یا غیر عرب، اور مسلمان تھے یا غیر مسلم) کے اعصاب کا تناؤ دور ہوا، دل کی دھڑکن معتدل ہوگئی اور بلڈ پریشر کم ہونے کے علاوہ طبیعت کی بے چینی (Stress) دور ہوئی۔ مزید دلچسپ بات یہ دیکھنے میں آئی کہ تلاوت میں قرآن کی وہ آیات جن میں جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے، ان کی تلاوت سننے سے رضا کاروں کے جسموں پر Stress کم کرنے کے اثرات (مثلاً دل کی دھڑکن کم ہونا) زیادہ مرتب ہوئے (حالانکہ ان رضا کاروں میں سے اکثریت کی زبان عربی نہ تھی) جب کہ قرآن کے عذاب کی آیات (آیات ترہیب) کی تلاوت سے ان کے

جسموں پر بے چینی دور کرنے کے اثرات کم مرتب ہوئے۔

اسی طرح کی ایک دوسری ریسرچ سوڈان کی خرطوم یونیورسٹی میں ڈاکٹر مالک بدری کے تلمیذ محمد خیراد گیسوی نے کی جس میں انہوں نے دریافت کیا کہ تلاوت قرآن سے بلڈ پریشر کے مریضوں کی بیماری دور ہوگئی۔ان تحقیقات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ انسانی دل کی اصل غذا قرآن ہے۔یہی وجہ ہے کہ انسانی دل قرآن کے ذکر کے علاوہ اس پر تفکر وتدبر بھی چاہتا ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

انسانی دل اور ہر ماہ کے تین نفلی روزے:

رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ دیگر مہینوں میں نفلی روزوں کا رکھنا سنت ہے جن میں شوال کے چھ روزے، 9 ذی الحجہ کا روزہ، ہر دودنوں میں سے ایک دن کا روزہ (جسے صوم داؤدی کہتے ہیں)، ہر ماہ میں تین دن کے روزے شامل ہیں۔ چونکہ اسلام کی تمام تعلیمات نہایت گہری حکمتوں پر مبنی ہوتی ہیں، اس لیے فرض روزوں کی طرح نفلی روزوں کا مقصد بھی انسان میں تقویٰ پیدا کرنا اور معاشرے کو فائدہ پہنچانا ہے۔

اگر ہم قرآن وحدیث کی تعلیمات پر غور کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ انسانی سیرت کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے جس کے متعلق اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے:

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (سورہ یٰس)

"یقیناً شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

شیطان انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اور کبھی انسانی صورت میں آکر اس کو بھٹکاتا ہے۔اگر ہم غور کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ روزہ شیطان کے مقابلے میں بہت کارگر ثابت ہوتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا،جس کا مفہوم یہ ہے:

اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنْ اِبْنِ اٰدَمَ مَجْرَی الدَّمِ ضَیِّقُوْھَا بِالْجُوْعِ۔

''شیطان جسم انسانی میں خون کی طرح دوڑتا ہے' اس کے راستوں کو بھوک کے ذریعے بند کرو۔''

یہاں پر جملہ معترضہ کے طور پر یہ بھی بتاتے چلیں کہ مغربی سائنسدان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انسانی جسم میں خون کی گردش کی دریافت کا سہرا برطانوی سائنسدان ولیم ہاروے (William Horvey) کے سر ہے جس نے یہ بات 1628ء میں دریافت کی اور اپنی کتاب On the Motion of Heart and Blod in Animals" میں یہ دریافت بیان کی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے ولیم ہاروے سے کئی سو سال پہلے حدیث میں ہمیں بتا دیا تھا کہ شیطان بھی ہمارے جسم میں اسی طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون گردش کرتا ہے!

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اسلام دنیا کا سب سے زیادہ ماڈرن مذہب ہے اور اسلامی تعلیمات کو جو لوگ دقیانوسی سمجھتے ہیں اور اسلام کے خلاف جو لوگ ''روشن خیالی'' کا نعرہ بلند کرتے ہیں، درحقیقت سب سے زیادہ ''تاریک خیال'' اور دقیانوسی (Backward) وہ لوگ خود ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا: اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ (مسند احمد)

(روزے ڈھال ہیں) یعنی شیطان اور نفس کے حملوں کے خلاف دفاع کا بہترین ذریعہ روزے ہیں۔ اس حوالے سے حضور ﷺ نے احادیث میں ہر ماہ تین نفلی روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَاْمُرُنَا اَنْ نَّصُوْمَ الْبِیْضَ ثَلٰثَ عَشْرَۃَ وَاَرْبَعَ عَشْرَۃَ وَخَمْسَ عَشْرَۃَ وَقَالَ ھُنَّ کَھَیْاَۃِ الدَّھْرِ۔ (سنن ابوداؤد۔ کتاب الصیام)

رسول کریم ﷺ ہمیں ایام بیض (سفید دنوں کے) کے تین روزے رکھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے جو کہ ہر ماہ کی چاند کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ کو ہیں اور آپ ﷺ

نے فرمایا کہ یہ ہمیشہ روزے رکھنے کے مترادف ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:
اگر تم مہینے میں تین روزے رکھو تو 13، 14، 15 تاریخوں (چاند کی) کے روزے رکھو۔" (احمد، نسائی، ابوداؤد)

ان احادیث میں یہ بات غور طلب ہے کہ حضور ﷺ نے بالخصوص چاند کی 13، 14 اور 15 تاریخوں کو نفلی روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی آخر کیا وجہ ہے؟ حال ہی میں اس سلسلے میں نہایت اہم سائنسی تحقیقات منظر عام پر آئی ہیں۔

امریکہ کی ریاست فلوریڈا کے سائنسدان ڈاکٹر آرنلڈ لیبر Arnold Leiber, M.D جو کہ میامی ہارٹ انسٹی ٹیوٹ (Mianmi Heart Institute) کے شعبہ سائیکاٹری (Psychiatry) کے چیئر مین ہیں، انہوں نے میامی یونیورسٹی میڈیکل سکول میں چاند کے انسانوں کی شخصیت پر اثرات کے حوالے سے نہایت وسیع تحقیقات کی ہیں۔ جو انہوں نے اپنی کتاب How the moon Affects you (مطبوعہ نیویارک 1996ء) میں بیان کی ہیں۔

ڈاکٹر لیبر نے اپنی تحقیقات کی ابتداء سے پہلے یہ مشاہدہ کیا کہ ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں چاند کی درمیانی تاریخوں (بالخصوص چودھویں کی رات کو) حادثات، قتل کے واقعات اور ذہنی بیماری کے مریض عام دنوں کی نسبت زیادہ آتے تھے۔ اس مشاہدے کی سائنسی تحقیق کی غرض سے ڈاکٹر لیبر نے امریکی ریاست اوہایو کے شہر کلیولینڈ (Cleveland) میں 1956ء سے لیکر 1970ء تک پندرہ سالوں میں قتل کے دو ہزار واقعات کا تجزیہ کیا، جن کے قتل کے وقت کا ریکارڈ موجود تھا۔

اسی طرح امریکی ریاست فلوریڈا کے شہر میامی کی ڈیڈ کاؤنٹی (Dade County) میں انہی پندرہ سالوں میں جو 1887ء قتل کے واقعات ہوئے تھے، ان کے اوقات کا تجزیہ کیا۔ یہ تحقیقات American Journal of Psychiatry کے جولائی 1972ء کے

شمارے میں چھپیں۔ ان تحقیقات کا نچوڑ بہت حیران کن تھا کہ ان دونوں شہروں میں پورے پندرہ سال ہر مہینے جو قتل وارداتیں ہوتی تھیں' ان کی سب سے زیادہ تعداد چودھویں کی رات کو ہوتی تھی۔

ڈاکٹر لیبر کے الفاظ میں:

The homicides peaked at full moon"

اسی طرح ایک دوسری تحقیق جو امریکہ کے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف مینٹل ہیلتھ رپورٹ (Nimh report) کے دسمبر 1977ء میں چھپی جس کا عنوان تھا: "Correlating crime with lunar cycles" یعنی جرائم کا چاند کے ادوار کے ساتھ تعلق۔ اس ریسرچ کے سائنسدان ڈاکٹر ایڈورڈ مالمسٹرام Dr. Edward Malmstrom نے 1956ء سے 1970ء کے درمیان ریاست کیلیفورنیا کے Alameda county میں ریاست کولوریڈو کے شہر ڈنور (Denver) میں قتل اور خود کشی کی وارداتوں کا تجزیہ کیا تو اسی نتیجے پر پہنچے کہ قتل اور خودکشی کے واقعات سب سے زیادہ چاند کی درمیان کی تاریخوں میں ہوئے۔

اسی طرح ریاست سنسی نیٹی کے ایجکلف کالج (Edgecliff college) کی دو محقق خواتین جوڈی ٹیسو اور ایلیزبتھ ملر (شعبہ نفسیات) نے اپنے 1976ء کی تحقیق جو "Journal of Psychology" میں چھپی، یہ ثابت کیا کہ جب چاند پورا ہوتا ہے تو چوری، ڈاکہ، زنا، شراب، توڑ پھوڑ، عصمت دری وغیرہ کے واقعات بہت بڑھ جاتے ہیں۔ ڈاکٹر آرنلڈ لیبر کے مطابق چونکہ انسان مٹی سے بنا ہے اور اس کے وجود کا 75 فیصد حصہ پانی ہے۔ جس طرح زمین کا 75 فیصد پانی ہے، اس لیے انسان کے جسم اور دل پر بھی چاند کی کشش (Gravitational Pull) کے اثرات مرتب ہوتے ہیں، جس طرح سمندروں میں چاند کی کشش کی وجہ سے مدوجزر آتے ہیں، جب 13، 14 اور 15 تاریخوں کو چاند اپنے جوبن

پر ہوتا ہے تو انسان کے جسم کے پانی (Body fluids) کو متاثر کرتا ہے جس کی وجہ سے کئی انسانوں کے دلوں میں بے چینی پیدا ہو جاتی ہے اور کچھ لوگ اسی بے چینی کی وجہ سے جرائم کر گزرتے ہیں۔

اسی طرح امریکہ کی وائی چیٹا سٹیٹ یونیورسٹی کے سائنسدان بیالوجسٹ ڈاکٹر ہیری راؤنڈز (Harry Rounds) نے چاند کے انسانی دل پر اثرات کے متعلق ایک تحقیق کی جو سائنسی جریدے Comparative Biochemical Physiology (برطانیہ، پرماگان، پریس) میں چھپی۔ ڈاکٹر راؤنڈ نے انسانی جسم میں ایسے کیمیائی مادوں کو ناپا جن کے خارج ہونے سے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے اور جو دل میں بے چینی کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔

اس نے دریافت کیا کہ جو انسان یا جانور پہلے ہی بے چینی (Stress) کا شکار ہوں تو جب چاند کی پہلی تاریخیں ہوتی ہیں یا چاند کی چودھویں تاریخ ہوتی ہے تو ان کے دل کی دھڑکن بہت بڑھ جاتی ہے۔ ڈاکٹر راؤنڈ نے اپنا یہ اندازہ پیش کیا کہ زمین کے مقناطیسی فیلڈ (Electromagnetic field) میں چودھویں کا چاند یا پہلی کا چاند جو تبدیلیاں لاتے ہیں اُن کی وجہ سے یہ نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

یعنی ایک ایسا آدمی جو پہلے ہی ذہنی دباؤ کا شکار ہو تو چاند کی کشش کی وجہ سے اس کے دل کی دھڑکن مزید تیز ہو جاتی ہے۔ اور ایسا شخص کوئی نہ کوئی جرم کر گزرتا ہے۔ ان تحقیقات پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر آرنلڈ لیبر اپنی کتاب How the Moon Affects you (مطبوعہ نیویارک 1978ء میں لکھتا ہے:

In any event, there now is evidence that the lunar cycle can trigger excitement in the hearts of animals, incIding the human animal, already set at edge by circumstances. Changes in water flow

among the fluid compartments of the body and an increase in the heart rate would certainly make a person more likely to lose his cool in an emotional situation.

دلچسپ بات یہ ہے کہ سائنسدان ڈاکٹر لیبر (Dr. Leiber) نے تحقیقات کے خلاصے میں مذکورہ بالا بیان میں اس بات کو تسلیم کیا کہ ہمارے جسم میں موجود پانی میں چاند کی کشش کی وجہ سے آنے والی تبدیلیوں کی بنا پر انسان دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے پہلے سے بے چینی کا شکار انسان کبھی آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ یہاں یہ بات غور کرنے کی ہے کہ روزے میں انسان کھانے پینے دونوں سے اجتناب کرتا ہے، جس کی وجہ سے انسان کے جسم میں موجود پانی کی مقدار کچھ کم ہو جاتی ہے۔ اس لیے جو شخص حدیث نبوی ﷺ پر عمل کرتے ہوئے ہر مہینے کی چاند کی درمیانی تین تاریخوں میں نفلی روزے رکھے گا، اس کا دل اس بے چینی سے محفوظ رہے گا۔

الغرض ان تمام تحقیقات سے ہمیں حضور ﷺ کے اس حکم کی حکمت سمجھ میں آتی ہے کہ آخر کیوں حضور ﷺ نے بالخصوص ایام بیض (چاند کی تیرہ، چودہ، اور پندرہ) تاریخوں کو نفلی روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ چونکہ روزہ انسان کو صبر و استقامت کا درس دیتا ہے اور انسان کے دل میں تقویٰ پیدا کرتا ہے تو ایسے شخص سے بعید ہے کہ وہ ایسے دنوں میں کوئی جرم اور گناہ کرے۔ واقعی صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْم۔

انسانی دل اور خوابیں (Dreams):

انسانی دل اور خوابوں کا بہت گہرا تعلق ہے۔ نیند کو قرآن میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا گیا ہے۔ نیند کے دوران انسانی روح کا ایک حصہ جسم سے علیحدہ ہو کر مختلف چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ چونکہ انسانی دل کے اندر انسان کے روحانی دل کا بھی مسکن ہوتا ہے۔

اس لیے نیند کے دوران آنے والے خوابوں کا انسانی دل کے ساتھ خصوصی تعلق ہوتا ہے۔ نیند کے متعلق قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○

''وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے۔ پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے' اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کی روحیں ایک وقت مقرر کے لیے واپس بھیج دیتا ہے۔ اس میں بڑی نشانیاں ہیں، ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔''

سورہ الزمر کی اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ نیند کے دوران روح جسم سے علیحدہ ہوتی ہے۔ علامہ ابن قیم الجوزیہ اپنی کتاب الروح میں بیان کرتے ہیں کہ روح کے انسانی جسم سے پانچ طرح کے تعلق ہوتے ہیں:

۱...... پیدائش سے پہلے روح کا انسان جنین (Fetus) سے ایک تعلق ہوتا ہے۔

۲...... دنیا میں آنے کے بعد روح کا جسم سے ایک تعلق ہوتا ہے۔

۳...... نیند کے دوران روح کا انسانی جسم سے ایسا تعلق ہوتا ہے کہ اسکا ایک حصہ جسم میں رہتا ہے جبکہ ایک حصہ جسم کو چھوڑ جاتا ہے۔

۴...... برزخ میں گو کہ روح جسم کی قید سے آزاد ہوتی ہے لیکن پھر بھی اسکا جسم سے ایک قسم کا تعلق رہتا ہے۔

۵...... قیامت کے بعد جب دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہ روح کا جسم سے سب سے زیادہ مکمل تعلق ہوگا، جہاں نہ موت آئے گی اور نہ نیند۔

جدید نفسیات (Psychological studies) سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جب ہم خواب دیکھتے ہیں تو ان کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے۔ ایک لمحے کے لیے آنکھ لگی اور ہم نے

اتنا طویل خواب دیکھ لیا جیسا کہ نفسیات کی کتابوں میں ایک انگریز ڈرامہ ڈائریکٹر کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس نے اپنے آدھے گھنٹے کا ڈرامہ اپنے خواب میں صرف پانچ منٹ آنکھ لگنے کے دوران دیکھ لیا۔

اس سلسلے میں سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ خواب میں انسان جن کیفیات سے بھی گزر رہا ہوتا ہے، ان کا انسان کے بقیہ جسم پر بہت کم اثر ہوتا ہے۔ مثلاً اگر ایک آدمی خواب میں بھاگ رہا ہے تو اس کا دل اتنی رفتار سے دھڑکنا شروع ہو جائے گا جتنی رفتار سے جاگے میں وہ دوڑ رہا ہوتا تو اس کا دل دھڑکتا۔

اس کے برعکس اس سوئے ہوئے شخص کا بقیہ جسم بے حس وحرکت پڑا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ خوابوں کا تعلق روح سے ہوتا ہے۔ اور چونکہ انسانی روح کا مرکز انسانی دل ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

یہاں یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ ہر قسم کا خواب سچا نہیں ہوتا جیسا کہ حدیث مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ خواب تین قسم کے ہوتے ہیں:

۱...... اللہ کی طرف سے۔

۲...... دو شیطان کی طرف سے۔

۳...... انسان کے لاشعوری خیالات

تاہم خواب چاہے کیسا بھی ہو چونکہ نیند کے دوران روح انسانی جسم سے عارضی طور پر کچھ آزاد ہو جاتی ہے۔ اس لئے خواب کے دوران انسانی دل مرکزی حیثیت بہر حال قائم رکھتا ہے، اگر جاگنے کے دوران انسان کے دل میں دنیا کی محبت ہوگی تو سوتے میں شیطان بھی ایسے دل میں زیادہ وسوسہ اندازی کرے گا۔ جبکہ جس شخص کا دل جاگنے کے دوران ہر دم اللہ کی یاد اور نیک اعمال میں مصروف ہوگا تو سونے کے دوران بھی دل پر اللہ کی یاد غالب ہوگی۔ انسانِ کامل حضرت محمد ﷺ کا دل چونکہ ہر وقت اللہ کی یاد میں مصروف رہتا تھا، اس لیے جب آپ ﷺ سو رہے ہوتے تھے تو آپ ﷺ کا دل جاگ رہا ہوتا تھا۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں بیان ہوا ہے۔ حضرت

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (صحابی رسول ﷺ) روایت کرتے ہیں:

کچھ فرشتے رسول اللہ کے پاس آئے جبکہ آپ ﷺ آرام فرما رہے تھے۔ ان میں سے چند فرشتوں نے آپس میں کہا۔ آپ ﷺ سو رہے ہیں۔"

اس پر دوسرے فرشتوں نے کہا: آپ ﷺ کی آنکھیں سو رہی ہوتی ہیں لیکن آپ ﷺ کا دل جاگ رہا ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری)

انسانی دل اور تفکر و تدبر

قرآن نے انسان کو کئی مقامات پر اس کائنات میں تفکر و تدبر کی دعوت دی ہے اور بتایا ہے کہ رحمٰن کے بندے ہر کروٹ اللہ کو یاد رکھتے ہیں اور اللہ کی مخلوقات پر تفکر کرتے ہیں جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے:

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ο

(سورہ آل عمران: آیت 191)

"ان ہوشمند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان وزمین کی ساخت میں غور وفکر کرتے ہیں۔ (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) "پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔"

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر قرآن انسانوں کو غور وفکر کرنے پر ابھارتا ہے۔ چنانچہ ٰی تعالیٰ ہے:

ُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ أَن تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَىٰ وَفُرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا

(سورۃ سباء34۔ آیت 46)

"اے نبیؐ، ان سے کہو کہ "میں تمہیں بس ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں۔ خدا کے لیے تم اکیلے اکیلے اور دو دو مل کر غور وفکر کرو۔"

پس غور وفکر ایک ایسی خصوصیت ہے جو انسان کو دیگر جانوروں سے ممتاز کرتی ہے۔ باقی جانوروں کو تو اللہ نے ایک جبلت (Nature) پر پیدا فرمایا ہے۔ جب کہ انسان کو ارادہ واختیار کی آزادی عطا کی ہے۔ چنانچہ غور وفکر کے ذریعے ہی انسان قرآن کے اس سوال کا جواب دے سکتا ہے:

فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ۔(سورہ التکویر۔آیت:26)

''پھر تم کدھر جا رہے ہو؟''

بیشک غور وفکر کی یہ صلاحیت جو انسان کو اللہ تعالیٰ نے ودیعت کی ہے، جانوروں میں اس کا فقدان ہے۔ امریکی ماہر عمرانیات ارنسٹ بیکر (Ernest becker) نے اپنی ایوارڈ یافتہ کتاب ''The Denial of Death''(مطبوعہ نیویارک 1997ء) میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا' جب اس نے لکھا تھا:

''تمام دیگر جانوروں کے برعکس انسان اس کائنات میں ایک ایسی مخلوق ہے جس میں اس بات کے غور وفکر کرنے کی صلاحیت رکھی گئی ہے کہ اس نے ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور اسے قبر کے کیڑوں نے کھانا ہے۔ دوسرے جانور اس قسم کا خیال سوچنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔''

اسلام ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ ہم یہ تفکر کی صلاحیت استعمال میں لائیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا:

اَكْثِرُوا الذِّكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ)(يَعْنِي الْمَوْتَ) (سنن ابن ماجہ)

(سب ذائقوں کو بے لذت کر دینے والی چیز کو اکثر یاد کیا کرو یعنی موت۔)

تفکر وتدبر کا آغازِ کار انسانی دل سے ہوتا ہے۔ علامہ ابن القیم الجوزیہ اپنی کتاب ''مفتاح دار السعادۃ'' (رحمتوں کے گھر کی کنجی) میں لکھتے ہیں:

''غور وفکر ہر بھلائی کا آغاز اور کنجی ہے...... یہ دل کا سب سے اہم کام ہے اور سب سے

زیادہ فائدہ مند بھی۔"

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

الکیس من دان نفسہ وعمل لمابعدالموت۔

(جامع ترمذی۔کتاب صفۃ القیامۃ)

"عقل مند وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس (یعنی دل) پر توجہ کی اور مرنے کے بعد کی زندگی کے لیے اعمال کئے۔"

حضور ﷺ نے مسلمانوں کو یہ تلقین کی کہ وہ اپنے نفس کا ہر وقت محاسبہ کرتے رہیں۔ اپنے دل کا ہر لمحے جائزہ لیتے رہیں کہ کہیں اس کا میلان خدا کی نافرمانی کی طرف تو نہیں ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

مِثْلُ الْقَلْبِ مِثْلُ الرِّيْشَةِ تَقَلَّبُهَا الرِّيَاح بفلاة۔ (سنن ابن ماجہ)

"دل کی مثال (پرندوں کے) پر کی سی ہے جسے ہوائیں بیابان میں اڑائے پھرتی ہیں۔"

اس لحاظ سے انسانی دل اور غوروفکر کا نہایت گہرا تعلق ہے، جو انسان غوروفکر کرنے کا عادی ہوگا، ایسے شخص کے دل میں اللہ کی نافرمانی کے خیالات کبھی جڑ نہیں پکڑ سکیں گے۔علامہ ابن قیمؒ اس سلسلے میں اپنی دوسری کتاب "الفوائد" (مطبوعہ بیروت، 1981) میں بیان کرتے ہیں کہ:

"انسان جو کوئی بھی عمل کرتا ہے اس کی ابتداء ایک پوشیدہ گفتگو یا باطنی مکالمے کی صورت میں اس کے دل سے ہوتی ہے جس کے لیے انہوں نے "خواطر" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ عربی کے لفظ "خاطرہ" کی جمع ہے جس کے معنی ہیں "تیزی سے دل میں کسی خیال کا گزر ہونا۔" جدید ماہرین نفسیات (Cognitive Psychologists) کی اصطلاح میں اسے "Automatic thoughts" کہہ سکتے ہیں۔جس کے بارے میں مغربی ماہر نفسیات آرون بیک (Aaron Beck) نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس نے یہ 1970ء میں دریافت

کیا۔ ایسی کلاسک کتاب Cognitive Theory and Emotional Disorders "(مطبوعہ نیویارک 1976ء) میں اس نے چھ صفحات بعنوان" The Discovery of Automatic Thoughts "(خودبخود کے خیالات کی دریافت) کے لیے مختص کیے۔ اور یہ بتانے کی کوشش کی کہ وہ اس دریافت تک کس طرح پہنچا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ Aaron Beck سے کئی سو سال پہلے علامہ ابن قیمؒ نے یہ حقائق قرآن وسنت کی روشنی میں اپنی کتابوں میں بیان کر دیئے تھے!!

علامہ ابن قیمؒ اپنی کتاب "الفوائد" میں واضح الفاظ میں لکھتے ہیں: "ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ کسی بھی اختیاری فعل کی ابتداء خواطر (دل میں اچانک آنے والے خیالات یعنی (Automatic thoughts) اور وساوس (وسوسہ کی جمع) سے ہوتی ہے۔" وسوسہ "کی اصطلاح قرآن میں شیطان کی خفیہ سرگوشی کے لیے استعمال ہوئی ہے۔ (اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ) انہی "خواطر" اور "وساوس" کے نتیجے میں انسان معاملے کے متعلق پھر اپنی مرضی سے سوچنا شروع کرتا ہے۔ پھر یہ دل میں ظاہر ہونے والا خیال ہمارے دماغ کی یادداشت کا حصہ بنتا ہے اور پھر یادداشت اسے ارادے میں تبدیل کرتی ہے اور ارادے سے انسان وہ عمل کرتا ہے۔ مسلسل عمل (چاہے وہ اچھا ہو یا برا) کرنے سے وہ چیز انسان کی عادت بن جاتی ہے۔ اس لحاظ سے دل میں ظاہر ہونے والے برے خیال کو اگر شروع میں ہی (غور وفکر سے) روک دیا جائے تو یہ کام ابتدائی مرحلے میں آسان ہوتا ہے بہ نسبت بعد کے مراحل کے۔"

چنانچہ غور وفکر کے ذریعے ایک انسان اپنے دل کی گہرائیوں میں اٹھنے والے برے خیال کا ابتدائی مرحلے ہی میں قلع قمع کر سکتا ہے۔ امام غزالیؒ اپنی بے مثال کتاب "احیائے علوم الدین" میں اس بارے میں لکھتے ہیں:

"اچھا اخلاق پریکٹس سے حاصل کیا جا سکتا ہے یعنی اچھے کاموں کو مسلسل کرنا حتیٰ کہ وہ انسان کی فطرت ثانیہ بن جائیں۔ یہ بات انسانی دل اور اعضاء کے درمیان تعلق کی اہم

خصوصیت ہے یعنی انسانی روح اور جسم کا تعلق ۔ دل میں جس خصوصیت کا بھی اظہار ہوگا، اس کا اثر تمام اعضاء پر ہوگا جو اس پر عمل کریں گے ۔ اسی طرح انسان کے اعضاء وجوارح جو عمل بھی کریں گے ان کے اثرات دل پر منطبق ہوں گے ۔ اور یہ سائیکل (cycle) جاری رہے گی ۔"

امام غزالیؒ مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب علم دل میں داخل ہوتا ہے تو دل کی حالت بدل جاتی ہے جس کی وجہ سے اعضاء پر بھی اس تبدیلی کا اثر ہوتا ہے ۔ عمل دل کی حالت کے مطابق ہوتا ہے اور یہ علم پر منحصر ہوتا ہے ۔ اور علم کی ابتداء دل میں آنے والے خیالات سے ہوتی ہے ۔ اس لحاظ سے خیالات ہر قسم کی اچھائی کی ابتداء ہوتے ہیں ۔ یہ چیز تفکر و تدبر کی اہمیت ثابت کرتی ہے اور یہ ذکر سے بھی اونچا درجہ رکھتی ہے ۔" (احیائے علوم الدین)

ایک تفکر و تدبر کرنے والا دل جو کہ خدا کی خدائی پر اور روز آخرت پر غور و فکر کرتا ہے، وہ دل میں آنے والے کسی بھی برے خیال پر فوراً ہوشیار ہو جاتا ہے ۔ ایسا دل رکھنے والے افراد کے دل ایک مضبوط قلعے کی طرح ہوتے ہیں جس کو توڑ کر اس میں داخل ہونا شیطان کے لیے آسان نہیں ہوتا ۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان الذین اتقوا اذا مسھم طئف من الشیطن تذکروا فاذا ھم مبصرون ۔ (سورہ الاعراف: آیت ۲۰۱)

"جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انہیں چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لیے صحیح طریق کار کیا ہے ۔"

امام الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اور اسکی اوپن ہارٹ سرجری

چونکہ انسانی دل کو انسان کی شخصیت اور اس کے تقویٰ میں اتنی مرکزی حیثیت حاصل ہے

اس لیے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک نبیؑ اور رسولؐ کا دل ایک عام آدمی کے دل سے بہت اعلیٰ وارفع ہوتا ہے۔ نبیؑ اور رسولؑ کے دل کو اللہ کی قدرت کے وہ نظارے اور مشاہدے کروائے جاتے ہیں جو عام آدمی کا دل شاید دیکھنے کی تاب بھی نہ لاسکے۔ خیر البشر امام الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا دل ایک عام آدمی کے دل سے بہت اعلیٰ وارفع تھا۔ اسی لئے اس مبارک دل کو فرشتوں نے دو مرتبہ زم زم کے پانی سے دھویا۔ ایک مرتبہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانچ برس کے تھے اور دائی حلیمہ سعدیہؓ کے ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام تھا اور دوسری مرتبہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد معراج کا سفر کرنے لگے تھے تو عالم بالا کے مشاہدات کروانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک دھویا گیا۔ پہلے واقعے کی تفصیل درج ذیل ہے۔:

جس وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پانچ برس کی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اپنی دائی حلیمہ سعدیہؓ کے ساتھ ان کے گاؤں میں تھا، جہاں قبیلہ بنو سعد آباد تھا۔ اس واقعے نے حلیمہ سعدیہ کو اتنا خوفزدہ کردیا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی والدہ آمنہؓ کے پاس واپس مکہ لے جانے کا فیصلہ کرلیا۔

واقعہ شق صدر (سینہ مبارک چاک کئے جانے کا واقعہ) کی تفصیل حضرت انسؓ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت جبرائیلؑ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر لٹایا اور سینہ مبارک چاک کرکے دل نکالا۔ پھر دل سے (خون کا) ایک لوتھڑا نکال کر فرمایا یہ تم سے شیطان کا حصہ ہے ، پھر دل کو ایک طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا اور پھر اسے جوڑ کر اس کی جگہ لوٹا دیا۔ ادھر بچے دوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں یعنی حلیمہ سعدیہؓ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے: محمد قتل کردیا گیا۔ ان کے گھر کے لوگ فوراً پہنچے، دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ اترا ہوا تھا۔ (بحوالہ: صحیح۔ باب اسراء)

ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات الکبیر میں اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ فرشتوں نے جو پانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو دھونے کے لیے استعمال کیا تھا، وہ یخ بستہ تھا۔ جس وقت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کر کے دل نکالنے کا معجزہ پیش آیا، اس وقت انسانوں کے لئے یہ تصور کرنا بھی ناممکن تھا کہ انسان کے سینے کو چیر کر اس کے دل کو باہر نکالا اور پھر دوبارہ سینے میں لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن آج دل کی سرجری (Open Heart Surgery) ایک عام بات بن چکی ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کس طرح اللہ اپنے انبیاء کرام کو مستقبل میں رونما ہونے والے بعض واقعات کا علم دیتا ہے اور مشاہدہ بھی کرواتا ہے۔

امریکہ کے نومسلم عالم شیخ حمزہ یوسف نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہارٹ سرجری (جو تاریخ انسانی کی پہلی ہارٹ سرجری تھی) اور جدید دور کی دل کی سرجری میں بعض نہایت دلچسپ مماثلت بیان کی ہیں۔ فرشتے، جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ ہارٹ سرجری کی تھی، وہ روشنی کے بنے ہوتے ہیں۔ اور موجودہ زمانے میں ہارٹ سرجری بھی روشنی یعنی لیزر (Laser) سے کی جاتی ہے۔ جب دل کو جسم سے منسلک کرنے والی رگوں اور شریانوں کو کاٹ دیا جاتا ہے تو دل کچھ دیر تک دھڑکتا رہتا ہے لیکن بالآخر تھک کر رک جاتا ہے اور مر جاتا ہے۔ دل کو زندہ رکھنے کے لئے یہ لازمی ہوتا ہے کہ اس کے اندر کیمیائی عمل (Metabolism) کو آہستہ کیا جائے اور جدید طب (Modern Medicine) میں یہ کام دل کو یخ بستہ نمکین ٹھنڈے پانی (Ice-cold saline water) میں رکھنے سے ممکن ہوتا ہے۔ تاریخی لحاظ سے ہم جانتے ہیں کہ زم زم کے پانی میں نمکیات کا تناسب آج کے مقابلے میں چودہ سو سال پہلے زیادہ تھا۔ لہٰذا فرشتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو چاک کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو نکالا اور اسے زم زم کے یخ بستہ پانی سے دھویا اور پھر دل کو سینے میں واپس اس کی جگہ لگا دیا۔

مزید برآں، مستدرک الحاکم میں بیان کی گئی ایک حدیث کے مطابق صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر ٹانکوں کے نشان بھی دیکھے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کے وسط میں تھے۔ اس حدیث مبارک کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب خصائص الکبریٰ میں بیان فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کے وسط میں ٹانکوں کے نشان دراصل اس اوپن ہارٹ سرجری کا نتیجہ تھے جو فرشتوں نے

حضور ﷺ پر کی تھی۔

اس معجزے کا مقصد حضور ﷺ کے دل کا تزکیہ کرنا تھا تا کہ وہ اللہ کی وحی کو (قرآن کی صورت میں) برداشت کرنے کے قابل ہو سکے۔ جیسا کہ سورہ الشعراء کی آیت نمبر 192-194 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ○ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ○

(سورہ الشعراء۔194-192)

"یہ رب العالمین کی نازل کردہ کتاب ہے۔ اسے لے کر آپؐ کے دل پر جبرائیل امین اترے ہیں تا کہ آپؐ ان لوگوں میں شامل ہوں جو لوگوں کو متنبہ کرنے والے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن کے نزول کے لیے رسول اللہ ﷺ کے قلب کا انتخاب فرمایا۔ کسی اور انسان کے دل میں یہ سکت نہیں کہ وہ اللہ کی وحی کو بلا واسطہ (Directly) قبول کر سکے، سوائے انبیاء کرام کے قلوب کے۔

نبی کریم ﷺ کے قلب کی دوسری مرتبہ سرجری (شق صدر) معراج کے سفر سے پہلے ہوئی تا کہ آپ ﷺ اللہ کی عظیم نشانیاں اسراء و معراج کے دوران دیکھ سکیں اور سدرۃ المنتہٰی تک جا سکیں، جہاں جانے سے جبرائیلؑ جیسے بزرگ فرشتے کے پر بھی جل جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کے اسراء و معراج کے انہی مشاہدات کے متعلق قرآن میں سورۃ النجم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ○ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ○

(سورہ النجم۔ آیات، 12.11)

"(رسول کریم ﷺ نے) جو کچھ دیکھا دل نے اس کی تکذیب نہیں کی۔ اب کیا تم اس چیز پر جھگڑتے ہو جسے وہ (نبیؐ) دیکھتا ہے؟"

صحابہ کرامؓ اپنے اعلیٰ ایمان کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کے دل کی طاقت کو محسوس کرتے

تھے۔ یہ بات ایک جدید سائنسی تحقیق سے بہتر طور پر یہ سمجھ آ سکتی ہے۔یورپی سائنسدان کرسچن ہائی گنز (Christian Huygens) نے یہ دریافت کیا تھا کہ جب ایک کمرے میں بہت سے (Pendulums) پینڈولم لہرا رہے ہوں اور وہ ایک دوسرے کے قریب ہوں تو ابتداء میں چاہے ان کی حرکت کی رفتار کتنا ہی مختلف ہو لیکن کچھ ہی دیر کے بعد وہ سب پینڈولم سب سے بڑے پینڈولم کی حرکت کے مطابق حرکت شروع کر دیتے ہیں۔اس عمل کو سائنس کی اصطلاح میں ''Entrainment'' کہتے ہیں۔یہی حال انسانی قلوب کا بھی ہوتا ہے کہ وہ بھی ایک ہی تناسب (Rhythm) کے ساتھ دھڑکن شروع کر دیتے ہیں۔اسی چیز کو صحابہ کرامؓ محسوس کرتے تھے کہ جب وہ حضور ﷺ کی محفل میں بیٹھے ہوتے تھے تو وہ اللہ کو زیادہ یاد کرتے تھے بہ نسبت اکیلے ہونے کے۔چنانچہ بعض صحابہ مثلاً حضرت حنظلہؓ نے بازار میں جا کر یہ کہنا شروع کر دیا۔''نافق، حنظلہ، نافق حنظلہ''یعنی حنظلہؓ منافق ہو گیا۔جب ابوبکر نے ان سے ماجرا پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ حضور ﷺ کی محفل میں ان کے دل کی حالت مختلف ہوتی ہے او رباہر آ کر مختلف۔چونکہ حضور ﷺ کا دل ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتا تھا (جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے) کہ حضور ﷺ کی آنکھیں رات کو سو رہی ہوتی تھیں لیکن دل جاگ رہا ہوتا تھا)اس لئے حضور ﷺ کا دل صحابہ کرامؓ کے دلوں کو ''Entrainment'' میں لا کر اللہ کی یاد میں مشغول کر دیتا تھا۔جب صحابہ کرامؓ حضور ﷺ کی محفل سے اٹھ کر باہر جاتے تھے تو ان کے قلوب واضح فرق محسوس کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ جب رسول کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو صحابہ کرامؓ کے لیے یہ صدمہ ناقابل برداشت تھا۔عشق رسول ﷺ کے پیکر بلال حبشیؓ جب اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور ''اشہدان محمد رسول اللہ'' پر پہنچے تو دیوار سے گر کر بے ہوش ہو گئے۔عثمان غنیؓ غم سے گم سم تھے۔عمرؓ بن خطاب نے تو جلال میں آ کر تلوار نکال لی اور فرمایا کہ''جو یہ کہے گا کہ رسول کریم ﷺ وفات پا گئے ہیں، میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔''

صحابہ کرامؓ یہ جان گئے تھے کہ اب ان کے درمیان وہ قلب مبارک نہیں رہا جس پر براہ راست اللہ کی طرف سے وحی کا نزول ہوتا تھا۔

انسانی دل کا وجدان یا الہام (Intuition)۔ سائنس کی روشنی میں:

ایسی معلومات جو انسان کو اپنی پانچ حسوں (Senses) کی مدد کے بغیر حاصل ہوں، وہ الہام یا وجدان یا ادراک (Intuition) کہلاتی ہیں۔ یہ ایسے علم کو کہتے ہیں جس میں عقل استعمال کیے بغیر آنے والے واقعے کے متعلق اچانک پتہ چلے۔ لوگ ایسے تجربے کے لیے ''چھٹی حس'' کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں: میرا دل یہ کہتا ہے کہ ایسا ہونے والا ہے۔ دنیا کے تمام کلچرز میں لوگ، ''الہامی علم'' یا ''وجدانی علم'' کے بارے میں جانتے ہیں کہ اس میں انسان کا دل سب سے اہم کردار ادا کرتا ہے تاہم اس بارے میں سائنسی تحقیق بہت کم ہوئی ہے۔

حال ہی میں امریکہ کے تین مایہ ناز سائنسدانوں نے ایک سائنسی ریسرچ کی جو وہاں کے میڈیکل رسالے Journal of Alternative and Complementary Medicine کے 2004ء کے شمارے (Vol.10, P 133-143) میں چھپی۔ اس تحقیق میں ڈاکٹر رولن میکراٹی (Rollin Mc Craty, Ph.D.) مائیک ایٹکنسن (Mike Atkinson) اور ڈاکٹر ریمانڈ بریڈلے (Raymond Bradlay Ph.D.) نے جدید ترین میڈیکل مشینیں استعمال کرتے ہوئے جسم کی صلاحیت کو دریافت کیا کہ مستقبل میں رونما ہونے والے واقعے کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے جسم کو اس کا علم ہو جاتا ہے اور یہ بھی دریافت کیا کہ جسم کے کسی حصے میں یہ الہامی معلومات (Intuitive informations) وجود پذیر ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر میکراٹی اور ڈاکٹر بریڈلے نے اس تحقیق سے یہ نتیجہ نکالا کہ ایسا پتہ چلتا ہے کہ دل اور دماغ دونوں کو الہامی (وجدانی) معلومات کہیں سے موصول ہوتی ہیں اور وہ اس کا جواب دیتے ہیں۔ انہوں نے ریسرچ میں یہ دیکھا کہ مستقبل میں کسی جذبات انگیز واقعے کے رونما ہونے سے پہلے انسانی دل اپنی دھڑکن کو اچھی خاصی حد تک آہستہ (Sginificant Decrease

(in Heart Beat) کرلیتا ہے جبکہ مستقبل میں کوئی پرسکون واقعہ رونما ہونے لگے تو دل اپنی دھڑکن کو نہیں بدلتا جس سے پتہ چلتا ہے کہ دل بغیر کسی واسطے کے الہامی معلومات وصول کرتا ہے۔

...سری دلچسپ دریافت ان سائنس دانوں نے یہ کی کہ جس انداز سے انسان کے دل ودما... ہامی معلومات کو سمجھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ اس میں مردوں اور عورتوں میں واضح ...ر پر فرق پایا جاتا ہے۔ ریسرچ میں یہ بات دریافت ہوئی کہ جب خواتین کے دل ودماغ ...ہامی معلومات کو وصول کرتے یا اس کا تجزیہ کرتے ہیں تو اس وقت ان کا دل ان کے دماغ کو کنٹرول کیے ہوئے ہوتا ہے۔ یہ بات دماغ کے ایک حصے (Cortex) میں برقی پیغامات (Electrical Signals) پر دل کے کنٹرول سے پتہ چلتی ہے۔ ڈاکٹر بریڈ لے اور ان کے معاونین اس تحقیق پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"It seems that females are more attuned to get information from the heart"

(Electrophysiological evidence of intuition: The Surprising Role of the Heart in: Journal of Alternative and Complementary Medicine, 2004 Vol.10)

(ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ دل سے الہامی معلومات وصول کرتی ہیں)

باب پنجم

انسانی دل اور قبول اسلام کا فیصلہ

قبول اسلام کے فیصلے میں دل سب سے اہم کردار ادا کرتا ہے۔ چاہے وہ غیر مسلم کا قبول اسلام ہو یا کسی گنہگار مسلمان کا توبہ کر کے ہدایت کی راہ پر آنا ہو۔ ابھی پچھلے صفحات میں دی گئی سائنسی ریسرچ میں یہ بیان ہوا تھا کہ مردوں کی نسبت عورتوں کے دل الہامی یا وجدانی علم کی طرف دماغ کے مقابلے میں زیادہ مائل ہوتے ہیں۔ ہم نے یہ بھی پڑھا کہ دماغ اپنی ساخت کی وجہ سے کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ وہ خدا کی ذات کا ادراک کرنے سے قاصر ہوتا ہے جبکہ یہ کام دل آسانی سے کرسکتا ہے۔ ان تحقیقات کی روشنی میں یہ بات ب آسانی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ آخر کیوں ہر پانچ نئے اسلام قبول کرنے والوں میں سے چار عورتیں ہوتی ہیں۔ یعنی نومسلموں میں 80% خواتین ہوتی ہیں۔

سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عورتیں چونکہ دماغ کے مقابلے میں دل سے زیادہ سوچتی ہیں (اسی لیے ان کا مزاج بھی جذباتی واقع ہوا ہے) اس لیے ان کے لیے خدا کی وحدانیت کا ادراک کرنا آسان ہوتا ہے کیونکہ یہ وجدانی قوت (Intuitive Power) دل میں دماغ سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ ان نومسلم خواتین کا قبول اسلام کا یہ فیصلہ جذبات کی بنا پر نہیں ہوتا کیونکہ قبول اسلام کے بعد وہ نومسلم خواتین مرتے دم تک ایمان پر قائم رہتی ہیں۔

یہ خواتین کے دل کی الہامی طاقت ہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی آنے کے بعد جس شخصیت نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، وہ ایک خاتون ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں۔ اسی طرح اسلام کی راہ میں سب سے پہلے شہید ہونے والی شخصیت بھی ایک خاتون ہی کی تھی (حضرت عمار بن یاسرؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ) اسلام کے راستے میں مصیبتیں سہتے سہتے سب سے پہلے اپنی آنکھوں کا نذرانہ پیش کرنے والی شخصیت بھی ایک خاتون صحابیہؓ ہی کی تھی یعنی حضرت زنیرہ رومیہؓ (علامہ بلاذری کے مطابق ابوجہل نے ان کے بینائی زائل ہونے کے بعد انہیں طعنہ دیا کہ لات وعزیٰ نے تیری بینائی زائل کر دی تو انہوں نے جواب دیا: بیت اللہ کی قسم! لات وعزیٰ پتھر کے بت ہیں۔ وہ نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی شان استقامت اس قدر پسند آئی کہ دوسرے دن سو کر اٹھیں تو ان کی بینائی بحال ہو چکی تھی۔)

موجودہ دور کی نومسلم خوتین میں سے ایک ڈاکٹر جنیٹ حبل اللہ (Dr.Jeanette Hablullah) ہیں جن کا تعلق امریکہ سے ہے۔ قبول اسلام سے قبل وہ کیتھولک عیسائی تھیں۔ انہوں نے نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ انسانی دل پر ایک کتاب بھی لکھ ڈالی جس میں انہوں نے دل کے متعلق بتایا کہ کس طرح یہ ذہانت وحکمت کا منبع ہے۔

زیر نظر تالیف میں بیان کئے گئے مرد نومسلم حضرات وہ ہیں جنہوں نے مسلمان ممالک کے دور دراز کے سفر طے کر کے اسلامی علوم کی تحصیل کی اور اب وہ اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔ اُسکے برعکس خواتین نومسلموں نے دوسرے اہم شعبے میں کام کیا اور وہ ہے شخصیت سازی کا شعبہ۔

امام حسن البناء شہیدؒ کے والد احمد عبدالرحمن البناء (جو کہ خود بھی بہت بڑے عالم تھے اور مسند احمدؒ کی شرح الفتح الربانی کے مصنف) نے اپنے بیٹے حسن البناء سے ایک مرتبہ کہا تھا:

"بیٹا! تم کوئی کتاب کیوں نہیں تصنیف کرتے ہو جبکہ تم اسلام کا اتنا کام کرتے ہو؟"

اس پر امام حسن البناءؒ نے جواب دیا تھا:۔

أَنَا أُصَنِّفُ الرِّجَالَ وَهُمْ يُصَنِّفُوْنَ الْكُتُبَ۔

''میں شخصیات تصنیف کر رہا ہوں پھر وہ شخصیات کتابیں تصنیف کریں گی۔''

یہ نومسلم خواتین بالکل یہی کام کر رہی ہیں جو شیخ حسن البنائیؒ نے بیان فرمایا تھا کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھ کر عظیم شخصیات اپنی اولاد کی صورت میں تصنیف اور تیار کر رہی ہیں۔ ایسی نومسلم خواتین نور ایمانی کی وجہ سے یہ سمجھتی ہیں کہ عورت کا اصل مقام اور میدان عمل اس کا گھر اور اس کے بچے ہیں۔ بہر حال اس وجہ سے ایسی عظیم نومسلم خواتین کے حالات زندگی کا پتہ لگانا مرد نومسلموں کے مقابلے میں نسبتاً مشکل ہوتا ہے۔ تاہم حال ہی میں بعض مغربی غیر مسلم عمرانی سائنسدانوں (social scientists) نے نومسلم خواتین کے قبول اسلام کی وجوہات کے متعلق جدید تحقیقات کی ہیں جو اس کتاب میں بیان کی جائیں گی۔

اب ہم واپس اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ مشہور فرانسیسی سائنس دان اور مذہبی عیسائی عالم پاسکل (Blaise Pascal/1623-1662) نے ایک مرتبہ انسانی دل کے متعلق کہا تھا:

"The heart has its reasons the mind will never know."

''دل کے پاس ایسی وجوہات ہوتی ہیں جنہیں دماغ نہیں سمجھ سکتا۔''

اپنے اس قول میں پاسکل کا اشارہ دل کی الہامی قوت ہی کی طرف تھا۔ اسی طرح اپنے ایک دوسرے قول میں پاسکل نے یہاں تک کہا کہ مذہبی حقیقتیں اکثر اوقات الہام یا وجدان کے ذریعے ہی حاصل ہوتی ہیں۔

"Those on whom God has imparted religion by intuition are very fortunate and justly convinced."

''جن لوگوں پر خدا نے مذہب کی حقیقت الہام کے ذریعے آشکارہ کی ہے وہ بہت خوش قسمت ہوتے ہیں اور ان کا یقین برحق ہے۔''

نومسلموں میں خواتین کی کثرت ہونے کے علاوہ دوسری دلچسپ بات یہ دیکھنے میں آئی ہے کہ نومسلموں میں اکثریت نوجوان مردوں اور عورتوں کی ہوتی ہے۔ان میں سے اکثر کی عمریں قبول اسلام کے وقت 15 سے 25 سال کے درمیان ہوتی ہیں۔اس کی بھی ایک سائنسی توجیہ ہوسکتی ہے۔ مشہور امریکی مفکر اور بچوں کی تعلیم کے ماہر نفسیات (Child Educational Psychologist) جوزوف چلٹن پیرس (Joseph Chilton Pearce) اپنی کتاب Evolution's End مطبوعہ نیویارک 1992ء میں لکھتے ہیں کہ بچوں کی ذہنی نشوونما کے لحاظ سے انہیں تین مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1...... پیدائش سے لے کر سات سال تک (Prelogical Stage)

2......سات سال سے چودہ سال کی عمر تک (Operational logical Stage)

3...... پندرہ سال سے اکیس سال کی عمر تک (Post-logical Stage)

بچے کی عمر کا یہ آخری حصہ یعنی پوسٹ لاجیکل سٹیج وہ مرحلہ ہوتا ہے جب بچہ بلوغت کے ساتھ ہی اس مرحلہ میں داخل ہوجاتا ہے۔اس عمر میں ذہانت کے نئے گوشے کھلتے ہیں۔اس مرحلے کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے جوزف پیرس رقم طراز ہیں:

Somewhere around age fourteen or fifteen a great expectation arises that "somthing tremendous is supposed to happen". Adolescents sense a secret, unique greatness in themselves which seeks expression. They gesture toward the heart when trying to express any of this, a significant clue to

the whole affair"

(چودہ یا پندرہ سال کی عمر میں نوجوانوں میں کوئی بہت بڑی امید پیدا ہوتی ہے کہ کوئی انتہائی اہم بات ہونے والی ہے۔نوجوان اپنے اندر پوشیدہ، منفرد عظمت دیکھتے ہیں جو اپنے اظہار کی طالب ہوتی ہے۔وہ اس کے اظہار کے لیے اپنے دل کی طرف توجہ کرتے ہیں جو کہ اس تمام معاملے میں سب سے زیادہ اہمیت کا حال ہوتا ہے۔

جوزف پیئرس کے مطابق نوجوان اپنی جوانی کے ابتدائی دور میں اپنے دل سے راہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور تب وہ اپنی زندگی اور اپنی تخلیق کا مقصد تلاش کرنے میں مصروف ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اس دور میں اگر ان کے پاس حق آ جائے تو وہ اسے فوراً قبول کر لیتے ہیں۔وہ مصلحتوں کو نہیں دیکھتے بلکہ کھرے انداز میں حق کو قبول کر لیتے ہیں۔عام مسلمانوں میں بھی جو نوجوان اپنے گھر کے بے نمازی اور غیر اسلامی ماحول کے باوجود مذہب کی طرف مائل ہوتے ہیں اور نمازی کی پابندی شروع کرتے ہیں' وہ عام طور پر نوجوانی کے اسی دور میں ہوتے ہیں۔جہاں تک نومسلموں کا تعلق ہے تو اس کتاب میں دیے گئے تمام نومسلموں نے اپنی جوانی (15 سے 45 سال کی عمر) میں اسلام قبول کیا۔

یہ بات کہ نومسلم لڑکے اور لڑکیاں اکثر نوجوانی میں اسلام قبول کرتے ہیں جس طرح آج صحیح ہے، اسی طرح آج سے چودہ سو برس پہلے بھی صحیح تھی۔رسول اللہ ﷺ پر کی دور میں ایمان لانے والوں کی اکثریت نوجوانوں کی تھی جو کہ 15 سے 30 سال کی عمر کے درمیان تھے۔حقیقت یہ ہے کہ مکی دور میں جو لوگ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے، ان میں غالباً ایک مرد بھی ایسا نہیں تھا، جس کی عمر حضور ﷺ سے زیادہ ہو۔حضرت حمزہؓ حضور ﷺ کے ہم عمر تھے۔حضرت ابوبکرؓ حضور ﷺ سے دو سال چھوٹے تھے۔باقی تقریباً سارے صحابہ نوجوان تھے جن میں حضرات عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، صہیب رومی، بلال حبشی، عمار بن یاسر، طلحہ، زبیر بن العوام، ابوعبیدہ بن الجراح رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل تھے۔

ان تمام نوجوان صحابہؓ نے اپنے دلوں کی طرف توجہ کی اور رسول کریم ﷺ پر ایمان کی

دولت حاصل کی۔ان کے برعکس مکہ کے تمام بڑی عمر کے سرداروں نے اپنے ذہن سے سوچا اور دنیاوی فوائد کی جمع تفریق میں پڑ گئے اور ایمان کی دولت سے محروم ہو گئے یا ایمان لانے میں تاخیر کر دی۔اسی لیے اقبالؒ نے فرمایا:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

قرآن میں سورۃ الاعراف میں اس عہد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی روحوں سے پیدائش سے پہلے عالم ارواح میں لیا تھا۔ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ O (آیت:172)

''اور اے نبی ﷺ! لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟'' انہوں نے کہا ''ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔یہ ہم نے اس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔''

پھر سورۃ الاعراف کی اس آیت کے کچھ ہی دیر بعد آیت نمبر 179 میں اللہ تعالیٰ نے انسانی دل کو سوچنے سمجھنے والے عضو کی حیثیت سے بیان کیا ہے:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا (سورۃ الاعراف۔آیت:179)

اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے بھی ہیں جن کو ہم نے جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے،ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں ہیں۔ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں ہیں۔ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں ہیں۔''

یہ کوئی محض اتفاق کی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ارواح سے لیے گئے عہد کے فوراً بعد انسانی دل کو سوچنے سمجھنے والے عضو کی حیثیت سے بیان کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے عالم ارواح میں اپنی خدائی و کبریائی کا جو عہد لیا تھا اس عہد کی یاد کے نقوش موجود ہوتے ہیں، جسے انگلش میں Primordial Memory کہہ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قبول اسلام کا دل سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اسی لیے ہر بچہ اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی بنا لیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے۔ اگر بچے کو ماحول غلط ملے تو وہ اس کی ابراہیمی فطرت والے دل پر باطل اور شرک کے زنگ کی تہیں (Layers) جما دیتا ہے اور دل کے لیے حق کو پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن غیر مسلموں کے بارے میں پوچھتا ہے:

اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا (سورہ محمد، آیت: 24)

''کیا ان لوگوں نے قرآن پر غور نہیں کیا یا ان کے دلوں پر قفل چڑھے ہوئے ہیں؟''

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے اس سلسلے میں بہت دلچسپ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ عقلی دلائل چاہے کتنے ہوں لیکن اسلام کی تبلیغ کرنے کے معاملے میں ہمیں دل کو نشانہ بنانا چاہیے۔ اکتوبر 1930ء میں علامہ اقبالؒ نے اپنے ایک ملنے والے سے تبلیغ اسلام کے سلسلے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

''میں سمجھتا ہوں کہ دل اور دماغ کے کام کرنے کے طریقوں میں بہت فرق ہے۔ دماغ اکثر اوقات ہزارہا مضبوط دلائل کو مسترد کر دیتا ہے اور ان کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ لیکن دل اس کے برعکس بعض اوقات کمزور سے کمزور چیزوں سے اس قدر متاثر ہو جاتا ہے کہ صرف ایک ہی جھٹکے میں زندگی کا سارا نقشہ بدل جاتا ہے۔ قبول اسلام کا تعلق جس قدر دل سے ہے، دماغ سے نہیں۔ اصل بات جو مبلغ کو معلوم ہونی چاہیے یہ ہے کہ وہ کون کون سے نشتر ہیں جن سے دل متاثر ہوا کرتے ہیں۔ کفار اور مشرکین کے انقلاب حیات کی ہزارہا مثالیں تاریخ اسلام میں موجود

ہیں۔ ہم دیکھتے ہی کہ ایک شخص اپنے حالات کے تحت ایک خیال یا ایک مذہب پر چٹان کی طرح قائم ہوتا ہے۔ ناگہاں غیب سے اس کے دل پر ایک نشتر چلتا ہے اور چشم زدن میں اس کی زندگی کی تمام گزشتہ تاریخ بدل جاتی ہے...... قبول اسلام میں اصل چیز دل ہے۔ جب دل ایک تبدیلی پر ضامند ہو جاتا ہے اور کسی بات پر قرار پکڑ لیتا ہے تو پھر باقی جسم اس کے سوا کچھ نہیں کرتا کہ وہ اس تبدیلی کی تائید کے لیے وقف ہو جائے''۔

(بحوالہ: تبلیغی تحریک۔ از وحید الدین خان۔ مطبوعہ نئی دہلی 1994ء)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آسمانی ہدایت کو قبول کرنے یا رد کرنے کا دارومدار دماغ سے زیادہ دل پر ہوتا ہے۔ جب دل حق کو قبول کر لے تو جسم بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ (سورۃ الانعام، آیت: 125)

''پس جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے، اس کا سینہ (دل) اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے' اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے اور ایسا بھینچتا ہے کہ (اسلام کا تصور کرتے ہی) اسے یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا اس کی روح آسمان کی طرف چڑھائی چڑھ رہی ہے۔''

اس مسئلے کی مزید تشریح سیرت نبوی ﷺ کے دور کے بہت سے واقعات میں سے ایک واقعے سے کی جاتی ہے جو علامہ ابن قیمؒ نے سیرت کی کتاب ''زادالمعاد'' میں بیان فرمایا ہے:

''فتح مکہ کے بعد ایک مرتبہ حضرت محمد ﷺ تنہا کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ فضالہ بن عمیرؓ نے حضور ﷺ کو تنہا دیکھ کر قتل کا ارادہ کیا۔ جب وہ حضور ﷺ کے قریب آئے تو حضورؐ نے فرمایا: کیا تم فضالہ ہو؟ اس پر فضالہ نے جواب دیا: جی ہاں! میں فضالہ ہوں۔'' نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: ''تم اپنے آپ سے کیا کہہ رہے تھے؟''

فضالہ نے جواب دیا: ''کچھ نہیں، میں تو صرف اللہ سے دعا کر رہا تھا۔''

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: ''اللہ سے معافی مانگو۔'' اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک فضالہؓ کے سینے پر رکھ دیا اور ان کے دل میں سکون آ گیا۔ بعد میں حضرت فضالہؓ فرمایا کرتے تھے کہ ''خدا کی قسم! جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر سے اپنا ہاتھ اٹھایا تو اللہ کی مخلوقات میں سب سے زیادہ پیارے مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہو چکے تھے۔ جب میں واپس اپنے گھر جا رہا تھا تو راستے میں میرا گزر اس عورت پر سے ہوا جس سے میں اسلام قبول کرنے سے پہلے دوستی رکھتا تھا اور گپ شپ لگایا کرتا تھا۔ اس عورت نے مجھے اپنے پاس بلایا تو میں نے اسے کہا۔ نہیں! اللہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے۔'' (زادالمعاد)

مغربی خواتین کے دلوں کو اسلام کس طرح مسخر کر رہا ہے؟

عیسائی مشنری رسالہ "The Plain Truth" کے فروری 1984ء کے شمارے میں (جو اس رسالے کی 50ویں سالگرہ کا موقع تھا)، "World Almanac 1935" اور "Reader's Digest Almanac 1983" کے حوالے سے اس بات کا انکشاف کیا گیا کہ 1934 سے لے کر 1984 تک یعنی ان پچاس سالوں میں دنیا میں عیسائی مذہب کے ماننے والوں میں 47% اضافہ ہوا۔ دنیا کی کل آبادی میں 136 فیصد اضافہ ہوا اور مسلمانوں کی تعداد میں 235 فیصد اضافہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ دنیا کی آبادی کے اضافے کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافے کی تقریباً دوگنی شرح کا مطلب ہے کہ اسلام کے تیزی کے ساتھ دنیا میں پھیلنے میں نومسلموں (Converted Muslims) کی تعداد کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ صرف امریکہ میں ہر سال تقریباً ایک لاکھ سے زائد لوگ اسلام قبول کرتے ہیں جن

ہاتھ ہے۔ صرف امریکہ میں ہر سال تقریباً ایک لاکھ سے زائد لوگ اسلام قبول کرتے ہیں جن میں سے ہر اسلام لانے والے مرد کے مقابلے میں 4 خواتین اسلام قبول کرتی ہیں۔ یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کیونکہ مغربی میڈیا میں اسلام پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ عورتوں کو آزادی نہیں دیتا (یعنی کپڑوں کے بغیر رہنے کی آزادی) لیکن پھر بھی مغربی خواتین تیزی سے اسلام قبول کر رہی ہیں بلکہ مغربی مردوں کو بھی اس چیز میں انھوں نے پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ جب مغربی میڈیا کو اور کچھ سمجھ نہیں آتا تو ان نومسلم خواتین پر یہ الزام لگا دیتا ہے کہ وہ خواتین مسلمان مردوں سے شادی کے لیے اسلام قبول کرتی ہیں۔ سننے والے کو بظاہر یہ لوسٹوری (love story) کا تخیل بڑا اچھا لگتا ہے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ مغربی خواتین کے قبولِ اسلام کے پیچھے کارفرما عوامل کی ٹوہ لگانے کے لیے امریکہ کی یونیورسٹی آف وسکانسن (University of Wisconsin) کی ایک خاتون پروفیسر اور ماہر علم عمرانیات اینا مینسن میک گنٹی (Anna Mansson McGinty) نے اپنی تحقیق شروع۔ پروفیسر میک گنٹی نے نومسلم خواتین پر اس امید سے یہ تحقیق شروع کی کہ بالآخر وہ اسی نتیجے پر پہنچے گی کہ ان سب خواتین نے اپنے مسلمان خاوندوں کی وجہ سے اسلام قبول کیا ہوگا۔ پروفیسر میک گنٹی نے سویڈن اور امریکہ کی نومسلم خواتین پر تحقیق کی اور اپنی تحقیقات کا خلاصہ اپنی کتاب:

"Becoming Muslim: Western Women's Conversion to Islam (Culture, Mind and Society) (مطبوعہ امریکہ، 2006ء) میں پیش کیا۔ پروفیسر میک گنٹی نے اپنی کتاب میں یہ انکشاف کیا کہ "مغربی میڈیا اور سکالرز کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ نومسلم خواتین مسلمان مردوں سے شادی کی خاطر اسلام قبول کرتی ہیں بلکہ ان خواتین کے اسلام قبول کرنے کا ظاہری طور پر کوئی سبب نہیں معلوم کیا جاسکا۔ اسلام کی طرف راغب ہونے کا عمل دراصل ایک اندرونی عمل ہے جو کہ مسلسل بھی ہوسکتا ہے۔

یہ دلچسپ بات ہے کہ پروفیسر میک گنٹی نے 1990ء میں جب یہ تحقیق شروع کی تو یہ سمجھا کہ اس تحقیق کے سائنسی نتائج مغربی میڈیا کے دعوے کے عین مطابق ہوں گے لیکن جب 2006ء میں وہ تحقیق مکمل ہوئی تو میک گنٹی کا نقطۂ نظر بالکل بدل چکا تھا۔ اس تحقیق کے بعد پروفیسر میک گنٹی کو پتہ چلا کہ مغربی خواتین کے قبولِ اسلام کی وجہ مسلمان مردوں سے شادی نہیں ہے۔ اپنی تحقیق میں میک گنٹی نے نومسلم خواتین کے قبولِ اسلام میں ان کی جس اندرونی تبدیلی کا ذکر کیا ہے وہ دراصل دل کی تبدیلی ہے۔ اسلام نے ان نومسلم خواتین کے دل کو مسخر کر لیا۔ پروفیسر میک گنٹی نے اپنی کتاب میں یہ بھی لکھا کہ ان نومسلم خواتین کو اسلام کے ذریعے ایک نئی قسم کا احساسِ نسوانیت (awareness of their own woman hood) ہوا جو مغرب کے احساسِ نسوانیت سے مختلف تھا۔

مغرب کی خواتین کے قبولِ اسلام کی وجوہات پر تبصرہ کرتے ہوئے اسی حقیقت کی طرف ایک امریکی مسلمان سیف الدین نے ان الفاظ میں روشنی ڈالی:

''ایک اہم حقیقت جس کی طرف توجہ مبذول کروانا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ خواتین تیزی سے اسلام قبول کر رہی ہیں۔ وہ مغربی خواتین نہیں جو مسلمان عربوں سے شادی کی وجہ سے اسلام قبول کرتی ہیں بلکہ نوجوان غیر شادی شدہ اور تعلیم یافتہ مغربی خواتین اس لیے اسلام قبول کر رہی ہیں تاکہ پبلک میں خواتین کے متعلق مروج نظریات کو وہ تبدیل کر سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کی تحریکِ نسواں کی علمبردار خواتین نے اس ملک کے مردوں کے ذہنوں میں عورتوں کے حقوق کے متعلق صحیح سمجھ بوجھ پیدا نہیں کی اور اس لیے ان خواتین نے اسلام میں اس طاقت کو دیکھ لیا جس کے ذریعے وہ دنیا سے اپنے حقوق حاصل کر سکتی ہیں۔

(بحوالہ: www.wasalaam. worldpress.com)

سویڈن(Sweden)ہی کی مثال لے لیں۔سویڈن کا شمار دنیا کے ترقی یافتہ ترین ممالک میں ہوتا ہے۔ یہاں پر بچوں کی شرح اموات (Infant Mortality Rate)سب سے کم ہے جب کہ شہریوں کی اوسط زندگی(Average life span)پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ یہاں تعلیم ہر درجے میں مفت اور لوگوں کی تنخواہیں بہت زیادہ ہے ۔سویڈن ایک سیکولر ملک ہے جہاں ہر قسم کی آزادی حاصل ہے۔اس کے باوجود یہاں خواتین تیزی سے اسلام قبول کر رہی ہیں۔انہی خواتین میں ہیلینا بینوڈا (Helena Benauoda) بھی شامل ہیں جنھوں نے اسلام قبول کر کے سوسائٹی کے بہاؤ کے خلاف چلنے کا فیصلہ کیا۔بینوڈا سویڈش مسلم کونسل کی چیئر پرسن ہیں۔لیکن وہ ان ہزاروں سویڈش خواتین میں سے ایک ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا۔

سویڈش نومسلمہ ہیلینا بینوڈا(Helena Benaouda)نے حجابی خواتین کی ویب سائٹ "headscarf wordpress.com" کو ایک انٹرویو میں بتایا کہ 19 سال کی عمر میں سویڈن میں چند مسلمان نوجوانوں (Teenagers)سے ملاقات کے بعد انھوں نے اسلام کے متعلق سنجیدگی سے معلومات حاصل کرنی شروع کیں اور بالآخر ان کے دل میں اسلام نے گھر کر لیا۔انھوں نے اپنے اسلام کے سفر کے متعلق ایک سوال کے جواب میں بتایا:

''میرا اسلام کی طرف سفر درحقیقت اوائلِ عمر میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں نو برس کی تھی اور روزانہ شام کے وقت میرا دل چاہتا کہ میں خدا کو یاد کروں اور عبادت کروں لیکن مجھے عبادت کرنے کا طریقہ نہیں معلوم تھا۔ اس لیے میں نے اپنے سوالات کے جوابات ڈھونڈنے شروع کیے اور تمام سوالات کے تشفی بخش جوابات اسلام میں مجھے مل گئے۔''

بینوڈا نے یہ تصحیح بھی کی کہ سویڈن کے اعداد و شمار کے محکمے کے مطابق یہاں پر 5,000 نومسلم ہیں جو کہ صحیح نہیں ہے۔ کئی سویڈش لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے اسلام کا اظہار نہیں کرتے۔ مجموعی طور پر سویڈن کی 9 ملین کی آبادی میں سے تقریباً 4 لاکھ مسلمان ہیں۔ بینوڈا کے مطابق سویڈن میں نقل مکانی کر کے آنے والے مسلمانوں (immigrants) کی وجہ سے ہمارے ذہن اسلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ بینوڈا نے سویڈن کی خواتین اور حضرات کے قبولِ اسلام کی وجوہات بیان کرتے ہوئے بتایا:

''سویڈن میں بہت سے لوگ زندگی کے روحانی معانی تلاش کر رہے ہیں۔ جو لوگ مذہب بیزار ہوتے ہیں، وہ بھی اپنے دل مذہب کی طرف کھنچتے محسوس کرتے ہیں جب وہ مذہب کا مطالعہ شروع کرتے ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی لوگ مذہب سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ موت سے خائف ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ دنیا کے اکثر مذاہب انسان کے مرنے کے بعد اس کے حساب و کتاب کی خبر دیتے ہیں۔''

ایمان گرینتھ (Imaan Granath) سویڈن کی ایک اور نومسلم خاتون ہیں۔ ایمان گرینتھ جن کو عرب تہذیب سے پہلا تعارف بچپن میں ''الہ دین کے چراغ'' کی کہانی سے ہوا۔ انھوں نے انٹرویو میں بتایا: ''مجھے ہمیشہ سے مختلف کلچرز میں دلچسپی رہی ہے۔ مجھے سفر کرنا پسند تھا اور مختلف زبانیں سیکھنے کی میں شوقین تھی۔ جب میں چھوٹی تھی تو میں (الف لیلہ کے) شہزادوں کی طرح کے لباس پہننا پسند کرتی تھی۔ اور ابھی بھی پسند کرتی ہوں۔ البتہ یہ سب اس وقت شروع ہوا جب اسکول میں میرا واسطہ عیسائی عربوں سے پڑا جو کہ سب ہی اپنے مذہب پر فخر کرتے تھے۔ 1980ء کی دھائی میں جبکہ مذہبی ہونا باعثِ شرم سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت وہ بچے اپنے گلے میں بڑے سنہرے رنگ کے صلیب (Crosses) لٹکائے ہوئے ہوتے تھے۔ تاہم میرے قبول

اسلام کا سب سے اہم سبب میری پرورش ہے یعنی مجھے بچپن سے سچ بولنا، انصاف کرنا اور دوسروں کا خیال کرنے کی تربیت دی گئی تھی، جونہی میں نے اسلام کا مطالعہ کیا تو میرے دل نے یہ محسوس کیا کہ میرے والدین نے میری پرورش انہی اسلامی اصولوں پر کی تھی۔"

ایمان گریفتھ نے 20 سال کی عمر میں اسلام قبول کیا اور پھر سٹاک ہالم یونیورسٹی (Stockholm University) سے عربی زبان کی تعلیم حاصل کی۔

سویڈن میں باقی مغربی ممالک کی طرح نومسلموں کے قبولِ اسلام کی سب سے بڑی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے لباس میں تبدیلی لاتے ہیں۔ان کے اسلامی لباس میں شرم وحیا کا عنصر غالب ہوتا ہے۔اس کے برعکس مغربی لباس کا فلسفہ یہ ہوتا ہے کہ انسانی جسم کی زیادہ سے زیادہ نمائش کی جائے۔دراصل شرم وحیا مذہب اسلام کا سب سے بڑا خاصہ ہے۔حضورؐ نے ایک حدیث میں فرمایا:

اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَيَاءُ (موطاامام مالک)

"ہر دین کا ایک اخلاق ہوتا ہے اور اسلام کا اخلاق حیاء ہے۔"

اس حدیث مبارکہ میں حضور ﷺ نے اسلامی مذہب کی سب سے بڑی خصوصیت "شرم وحیا" بتائی ہے۔شرم وحیا مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں عیاں ہوتی ہے۔اس لیے جب مغربی نومسلم اسلامی طرزِ زندگی اپناتے ہیں تو لازمی طور پر ان کے لباس اور طور اطوار سے دینِ اسلام کی اس خصوصیت کا اظہار ہوتی ہے جس کے نتیجے میں وہ مغربی معاشرے میں مختلف نظر آتے ہیں۔

بینوڈا کی طرح ایمان گریفتھ بھی حجاب لیتی ہیں اور اپنے تجربات کے متعلق انھوں نے

ایک انٹرویو میں بتایا: ”سویڈش لوگوں میں میرا باپردہ لباس زندگی میں پیچھے کی طرف جانے کی علامت ہے لیکن میرے لیے یہ اسلامی لباس ایک صحت منداور زیادہ روحانی زندگی کا آزادانہ انتخاب ہے جس میں میں اپنی ذات اور اپنے اردگرد کے ماحول کے متعلق زیادہ باخبر ہوتی ہوں۔ میں نے قبول اسلام کے بعد مختلف اسلامی آرگنائزیشنوں میں کام کیا مثلاً پاکستانی ایمبیسی وغیرہ میں لیکن مجھے سویڈش لوگوں سے واسطہ پڑنے کے دوران کوئی مسئلہ پیش نہیں آیا۔“

بینوڈا اور ایمان گریتھ دونوں نومسلم خواتین نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ گو پچھلے چند سالوں میں اسلام نے سویڈن میں غیر معمولی اہمیت حاصل کی ہے لیکن اسلام کے ساتھ بہت سے منفی تصورات بھی منسوب کردیے گئے ہیں۔ سویڈن کا میڈیا اکثر اوقات اسلام کو جنگ اور تشدد کے ساتھ منسوب کرتا ہے۔ نومسلمہ بینوڈا کے مطابق ابھی بھی امید ہے کہ مغرب کے لوگ اسلام کے پرامن پیغام کو سمجھ جائیں گے۔

مغربی خواتین کے قبول اسلام کی وجوہات:

مغرب میں خواتین کے قبول اسلام کے سلسلے میں ایک ٹھوس تحقیق جو سائنسی انداز میں کی گئی وہ سویڈن کی اپسالا یونیورسٹی (Uppsala University) کے شعبہ علم الٰہیات اور عمرانیات مذہب (Department of Theology, Sociology of Religions) میں ایک سویڈش خاتون کا پی ایچ ڈی کا مقالہ (Phd Thesis) تھا جس کا سویڈش زبان میں عنوان تھا:

"Vi blev muslimer"

اس مقالے کا موضوع سویڈن میں خواتین کے قبول اسلام کی وجوہات تھا۔ اس محقق خاتون

کا نام میڈلین سلطان جوکوِسٹ (Madeleine Sultan Sjoqvist) تھا۔ اس تحقیقی مقالے کا خلاصہ (abstract) جو میڈلین سلطان نے لکھا، اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''اس مقالے کا مواد ان سویڈش خواتین کے انٹرویوز پر مشتمل ہے جنھوں نے اسلام قبول کیا اور اس کا مقصد یہ ہے کہ پتہ چلایا جا سکے کہ ان نومسلم خواتین نے اپنی مذہبی زندگی میں کیا معنی تلاش کیے۔ ان سے ایسے سوالات پوچھے گئے کہ اپنی تبدیلی مذہب کے متعلق ان کی کیا رائے ہے اور اپنی مذہبی مصروفیات اور مغربی سیکولر سوسائٹی میں ایک نومسلم کی طرح زندگی بسر کرنے کے متعلق ان کے تجربات کیا ہیں۔''

''اپنی مذہبی وابستگی کی تشریح و توضیح کرنے میں نومسلم خواتین نے مسلمانوں کی عائلی زندگی (Family life) کے ساتھ اپنی مذہبی وابستگی کے گہرے تعلق پر خصوصی زور دیا۔ ان خواتین نے اس بات پر زور دیا کہ اسلام میں لوگوں کے درمیان برابری کا درس دیا جاتا ہے اور عورتوں اور مردوں کے درمیان بھی اسلام میں برابری ہے۔ اسلام ایک ایسا فیملی سسٹم پیش کرتا ہے جس میں مرد گھر کا سربراہ ہوتا ہے (Patriarchal family life) اور بیوی اپنے خاوند کی اطاعت کرتی ہے۔ ان نومسلموں کی زندگی میں ایک طرف اسلام سے وابستگی کے لیے عملی جدوجہد نظر آتی ہے تو دوسری طرف اسلام کے نظریہ مساوات مرد و زن کی روشنی میں اسلامی زندگی میں عملی شرکت میں مسائل و چیلنج''۔ مطبوعہ سویڈن (Vi blev muslimer)

سویڈن کی اپسالا یونیورسٹی (Uppsala University) کی محقق طالبہ میڈلین سلطان نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں سویڈن کی نومسلم خواتین کے تجربات کا بحیثیت ایک سوشیالوجسٹ کے تجزیہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا:

''نومسلم خواتین اسلام قبول کر کے ہماری جدید سوسائٹی کے ہر کسی کو اس کی جسمانی ساخت کی بنا پر جانچنے کے جنون کے خلاف احتجاج کرتی ہیں۔اس کے مغرب میں خواتین کے لیے مشکل حالاتِ زندگی جس میں عورت کو بیک وقت اپنے کیریئر کی فکر بھی کرنی پڑتی ہے اور گھریلو ذمہ داریاں بھی سنبھالنی پڑتی ہیں۔یہ بھی ان کے قبولِ اسلام میں کردار ادا کرتی ہے۔ ان میں سے بہت سی خواتین یہ محسوس کرتی تھیں کہ ان کی زندگی میں کوئی مقصد نہیں ہے اور عیسائیت بھی انہیں کوئی متبادل راہ نہیں پیش کرتی۔''

''پھر ان کی زندگی میں کوئی خاص واقعہ پیش آتا ہے اور انھیں کوئی فرشتہ (انسانی شکل میں) ملتا ہے یا کوئی مذہبی خواب آتا ہے یا کشف ہوتا ہے اور ان کے دل کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ تو بچپن سے مسلمان ہی تھیں۔ اسلام قبول کرنے کے کچھ عرصہ کے بعد ان نومسلم خواتین کو ایسا تجربہ اکثر ہوتا ہے کہ کوئی ان کو اصل مذہب سے بہکانے اور اسلام سے واپس اپنے آبائی مذہب کی طرف لوٹنے کی ترغیب دیتا ہے۔یہ والدین بھی ہو سکتے ہیں اور شیاطین جن وانس بھی ہو سکتے ہیں۔'' (بحوالہ:ایضاً)

سویڈن کی نومسلم خواتین نے میڈلین سلطان کو بتایا کہ وہ اب اپنے آپ کو آزاد (Liberated women) خواتین سمجھتی ہیں۔جنھوں نے حجاب کر کے اپنے آپ کو معاشرے کی ہوس بھری نگاہوں سے آزاد کر لیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ وہ خواتین اس بات سے باخبر ہیں کہ ان کی آزادی ایسی ہونی چاہیے کہ گھر کا سربراہ مرد ہی کو ہونا چاہیے۔اس سلسلے میں ان خواتین کے تاثرات کے بارے میں میڈلین سلطان اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں لکھتی ہیں:

''مسلمانوں کی فیملی لائف تمام نومسلم مغربی خواتین کے لیے باعث کشش ثابت ہوتی ہے۔ان میں سے کئی خواتین نے یہ بتایا کہ اسلام کے مطابق مرد حضرات زیادہ عقلی اور منطقی

ہوتے ہیں جب کہ خواتین زیادہ جذباتی اور خیال (More Rational and Logical) رکھنے والی (More Emotional and caring) ہوتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خواتین ہی بچوں کی پرورش اور گھر کے کام کاج کے لیے زیادہ موزوں ہوتی ہیں جب کہ مرد حضرات گھر کے باہر کے کاموں اور فیملی کے نان نفقے کے لیے زیادہ موزوں ہوتے ہیں۔"

(بحوالہ: ایضاً)

اسی طرح ترکی کے ڈاکٹر علی کوز (Ali Kose) جنھوں نے 1994ء میں یونیورسٹی آف لندن (University of London) سے الٰہیات اور مذہبی علوم (Theology and Religious Studies) کے میدان میں پی ایچ ڈی حاصل کی اور آج کل استنبول کے سنٹر آف اسلامک سٹڈیز کے ساتھ منسلک ہیں، انھوں نے برطانیہ کے نومسلم مرد اور خواتین کے قبولِ اسلام کی وجوہات پر تحقیق کی اپنی کتاب "Conversion to Islam" (مطبوعہ برطانیہ، 1996ء) میں انھوں نے برطانیہ کے 70 نومسلم مرد اور خواتین پر تحقیق کی اور درج ذیل سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کی:

لوگ اسلام کیوں قبول کرتے ہیں؟ نومسلموں کا بیک گراؤنڈ کیا ہوتا ہے؟ وقت کے ساتھ ساتھ یہ رجحان کس طرف جاتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ڈاکٹر علی کوز نے اپنی تحقیقات کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب میں بیان کیا کہ برطانوی نومسلم خواتین وحضرات کے قبولِ اسلام کے فیصلے میں مختلف عوامل کارفرما تھے۔ ان نومسلموں کی اکثریت کا تعلق عیسائیت کے رومن کیتھولک یا پروٹسٹنٹ فرقے سے تھا۔ ڈاکٹر علی کوز نے یہ دریافت کیا کہ اپنی زندگی میں کسی علمی اور روحانی معانی کی تلاش (Intellectual and Spiritual Search for Meaning in Life) ان میں سے اکثریت کے قبولِ اسلام کا سبب بنا۔ یہ تحقیق اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ ڈاکٹر علی کوز نے ایک ماہرِ نفسیات کے طریقے کے مطابق یہ ریسرچ کی

اور فرائڈ اور کارل ینگ (Carl Jung) کی تحقیقات اور تھیوریز کو بھی مدنظر رکھا۔

اسی میدان میں ایک اور وسیع تحقیق ہالینڈ کی نجمن یونیورسٹی (University of Nijmegen) کی عمرانی علم الانسان کی ماہر (Social Anthropologist) خاتون کیرن وین نیوکرک (Karin Van Nievwkerk) نے کی اور مختلف مغربی تاریخ دانوں، ماہرینِ عمرانیات اور ماہرین علم الانسان کی تحقیقاتی تحریریں کہ آخر کیوں امریکہ، یورپین ممالک اور جنوبی افریقہ میں خواتین اسلام قبول کر رہی ہیں، ایک کتاب میں یکجا کر دیا جس کا نام ہے: "Women Embracing Islam: Gender and Conversion in the West" (مطبوعہ ٹیکساس، 2006ء) اس کتاب میں پروفیسر کیرنؔ اور دیگر محققین سے اُن سوالات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش بیان کی ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ یورپ اور امریکہ میں خواتین حیران کن تعداد میں اسلام قبول کر رہی ہیں۔ مثلاً وہ کیا چیز ہے جو ان خواتین کو اسلامی عقائد کی طرف کھینچتی ہے جو کہ مغربی عیسائیت اور مغربی سیکولرازم سے نہایت مختلف ہے؟ انھیں قبولِ اسلام سے کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اس کی کیا قیمت دینی پڑتی ہے؟ قبولِ اسلام کے فیصلے سے ان کے بقیہ خاندان اور کمیونٹی پر کیا اثرات ہوتے ہیں۔ ان کا کیا ردِعمل ہوتا ہے؟

پروفیسر کیرنؔ اور دیگر محققین کے مطابق مغربی خواتین کے قبولِ اسلام کے پیچھے کوئی ایک خاص وجہ نہیں ہے تاہم بعض عوامل ایسے ضرور ہیں جن کی وجہ سے ان خواتین کے دل اسلام کی حقانیت کے قائل ہو گئے۔ ان عوامل میں سے سب سے اہم عوامل یہ ہیں: اسلام میں فیملی اور معاشرے کی اہمیت دینا، اسلام کی سخت اخلاقی ضابطے، اسلامی عقیدے (عقیدۂ توحید) کا عقل کے عین مطابق ہونا اور اس کی روحانی قوت، عیسائیت سے مایوسی اور مغربی معاشرے میں جنسی بے راہ روی اور فحاشی ...... یہ ہیں وہ عوامل جن کی وجہ سے مغربی خواتین کی اکثریت اسلام کی طرف

آ رہی ہے۔

یہی چیز امریکہ کی یونیورسٹی آف وسکانسن کی پروفیسر اور سوشیالوجسٹ اینا مینسن میک گنٹی (Anna Masson McGinty) نے سویڈن اور امریکہ کی نومسلم خواتین کے انٹرویو کے دوران دریافت کی۔ اپنی کتاب (جس کا پچھلے صفحات میں ذکر کیا گیا تھا) "Becoming Muslim: Western Women's Conversion to Islam" (مطبوعہ امریکہ، 2006ء) میں وہ لکھتی ہیں کہ تمام نومسلم خواتین جس کا اس نے سروے کیا، وہ حجاب لینے کی انتہائی شوقین تھیں بلکہ میک گنٹی کے الفاظ میں حجاب مغرب میں قبولِ اسلام کا ایک طاقتور علامت بن گیا ہے۔

(The veil has become a powerful symbol of the complexity of Islamic conversion)

پروفیسر میک گنٹی نے اپنی کتاب میں یہ انکشاف بھی کیا کہ انھوں نے جتنی نومسلم خواتین کا سروے کیا انھوں نے یہ بتایا کہ انھیں اسلام کے اندر ایسی کوئی نہ کوئی چیز ضرور نظر آئی جو ان کے دل اور شخصیت کے عین مطابق تھی۔ کسی کو اسلام کے حکم زکوۃ یا غریبوں کو صدقہ و خیرات کے حکم میں معاشرتی عدل کی صحیح تصویر نظر آئی۔ کچھ خواتین کو اسلام کے اندر ایک ایسا عقیدہ محسوس ہوا جو ان کی مذہبی تڑپ یا روحانی جستجو کے جوابات لے کر آیا۔

کچھ خواتین نے یہ دریافت کیا کہ اسلام نے انھیں ایک نئی قسم کی نسوانیت آزمانے کا موقع عطا کیا۔ ایسی نسوانیت جس میں عفت و پاکدامنی پر زور دیا جاتا ہے اور جس میں عورت کے چہرے اور جسم کی بجائے اسکی شخصیت کو اہمیت دی جاتی ہے۔ پروفیسر میک گنٹی نے یہ نتیجہ نکالا کہ تبدیلی مذہب نے ان نومسلم خواتین کے اندر بہت سے سوالات کا تلاطم برپا کیا۔ اس نے ان کی خودشناسی کو بڑھایا اور اس بات پر تفکر کرنے پر ابھارا کہ انسان کیا ہے؟ وہ کیا تھا اور وہ کہاں

چلا جا رہا ہے؟

"Conversion triggers profound questions to the self. It heightens the awareness and prompts reflections of who one is, who one was and where one is heading."

(بحوالہ: Becoming Muslim، ایضاً)

دراصل یہی قرآن کے مطلوب انسان کی صفات ہے۔ قرآن انسان سے بار بار سوال کرتا ہے کہ وہ "کہاں چلا جا رہا ہے؟ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاَیْنَ تَذْھَبُوْنَ (سورہ التکویر)

(پھر تم کہاں چلے جا رہے ہو؟)

قرآن انسان کو اپنی شخصیت پر غور و فکر کرنے کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

"جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔"

یہی تفکر و تدبر انسان کی نجات کی کنجی ہے۔ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ٥ (سورہ الذاریات: آیت 21)

"اور خود تمہارے اپنے وجود میں (نشانیاں) ہیں کیا تم غور نہیں کرتے؟"

اگلے باب میں چند نومسلموں کے حالات زندگی پیش کیے جائیں گے اور یہ بتایا جائے گا کہ کس طرح ان کی زندگیاں ہم پیدائشی مسلمانوں کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

باب ششم

پاسباں مل گئے کعبے صنم خانے سے

سورہ الفاتحہ ام الکتاب ہے۔ جوہر قرآن ہے، اس سورہ مبارکہ کی اس جامع اور فصیح دعا پر غور فرمائیں اهدنا الصراط المستقیم O صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین O

ترجمہ: ''ہمیں سیدھی راہ دکھا، ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام و کرام کیا۔ ان لوگوں کی راہ نہیں جن پر غضب نازل کیا گیا اور نہ گمراہوں کی راہ۔''

یہ نہیں کہا کہ ہمیں نیکیوں اور بھلائیوں کی راہ دکھا۔ یہ نہیں کہا کہ ہمیں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی راہ دکھا بلکہ ان برگزیدہ انسانوں کا ذکر کیا جو بھلائی کے پیکر ہوتے ہیں۔ جو خیر مجسم ہیں۔ ایسے لوگ جنہیں سورہ الواقعہ میں ''السّابِقُوْن'' (پہل کرنے والے) کہا گیا ہے جن کی تعداد تو بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ (ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْن) لیکن وہ انسانیت کے لیے روشنی کا منارہ (Light House) ہوتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر انسانوں کے سفینے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

انبیاء اور صلحاء ؒ کے تذکرے ہی سے صراط مستقیم کی ٹھیک طور پر وضاحت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ایمان اور عمل صالح کی حقیقت انبیاءؑ اور اولیاءؒ کے حالات زندگی ہی سے اجاگر کی گئی ہے۔ ایک ایک پیغمبر کا نام لے لے کر اس کے حالاتِ زندگی پر سوچ و بچار کی دعوت دی گئی:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ o(19-16)

کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرو۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوْسٰى o(19-51)

کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کی بات کرو۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِسْمَاعِيْلَ o

کتاب میں اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ کرو۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ دَاوٗدَ o(38-17)

ہمارے بندے داؤدؑ کی سیرت بیان کرو۔

قرآن میں صرف انبیاء معصومین ہی کا ذکر نہیں ہے۔ اولیاء اللہ کی سیرت طیبہ سے بھی استشہاد کیا گیا ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ o(19:15)

اور کتاب میں مریم علیہا السلام کے حالات بیان کرو۔

اسی طرح لقمان حکیم اور پھر اصحاب کہف کا کردار بھی قرآن میں بیان کیا گیا تاکہ انسانیت پر یہ واضح کیا جا سکے کہ انسان غیر معصوم ہوتے ہوئے بھی دوسرے لوگوں کے لیے نمونہ(Role Model)بن سکتا ہے۔

جدید سائیکالوجی اور رول ماڈلز کی اہمیت:

یہ بات انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ وہ اپنے سے عظیم ہستیوں کی زندگیوں سے متاثر ہوتا ہے اور ان کی تقلید کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چاہے یہ شعوری طور پر ہو یا لاشعوری سطح پر۔ امریکی ماہر نفسیات سکاٹ پیک نے اپنی مشہور کتاب (The Road Less Travelled) میں اس بات پر زور دیا ہے کہ رول ماڈلز کا نوجوانوں کی شخصیات پر گہرا اثر ہوتا ہے اور والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو اچھے رول ماڈلز مہیا کریں۔

یہی وجہ ہے کہ برطانوی عیسائی شاعر اور مفکر تھامس کارلائل (Thomas Carlyle) نے اپنی شہرہ آفاق کتاب (On Heroes and Hero-worship)، جس میں اس نے حضرت محمد ﷺ کو تمام انبیاء کا ہیرو قرار دیا تھا، میں لکھا ہے: ''عظیم شخصیت کی تلاش نوجوانی کے دور کا خواب اور انسانیت کا سب سے اہم کام ہوتا ہے۔''

عمرانی سائنسدان ویلز ولبن (Wells-Wilbon) اور ہالینڈ کے سائیکالوجسٹ بینڈ ورا (Bandura) اور اس کے شاگرد والٹرز (Walters) نے 1963ء میں تجربات سے یہ ثابت کر دکھایا تھا کہ کسی ماڈل شخصیت کا مشاہدہ کرنے سے لوگ بہت سے نئے افعال واعمال سیکھتے ہیں۔ ولبن اور ہالینڈ کے الفاظ میں: ماڈل (نمونہ شخصیت) کی تقلید سے بہت سے افعال واعمال سیکھے جاتے ہیں۔ تقلید (Imitation) کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ بچہ ماڈل سے جو کچھ سیکھتا ہے، اسے اسی وقت نہیں دھراتا بلکہ اسے ذہن نشین کر لیتا ہے اور اپنی شخصیت کا حصہ بنا لیتا ہے اور مستقبل میں اس کے کردار وافعال سے اس کا ظہور ہوتا ہے۔

(The Qualitative Report, Dec2001, Vol.6,no.4)

دنیا کی رول ماڈل امت:

بنی اسرائیل سے پہلے قوموں پر جہاد فرض نہیں تھا بلکہ حق کا انکار کرنے والی قوموں پر خدائی

آفات کے ذریعے ان کو نیست و نابود کیا جاتا تھا۔ مثلاً طوفان نوح، لوط علیہ السلام کی قوم پر پکی مٹی کے پتھروں کی بارش، قوم ثمود کو زور کے دھماکے اور قوم عاد کو شدید طوفانی آندھی سے ہلاک کیا گیا۔ بنی اسرائیل پہلی قوم تھی جس پر جہاد فرض کیا گیا تاکہ وہ حق کا انکار کرنے والوں کے خلاف جہاد کر کے انہیں سزا دیں۔

اسی لیے بنی اسرائیل کو دنیا کی امامت کا منصب سونپا گیا۔ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد قوم یہود کو اس منصب سے معزول کر کے مسلمان امت کو منصب امامت عطا کیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ۔

”تم بہترین امت ہو جنہیں یہ کام سونپا گیا ہے کہ دنیا کو نیکی کی نصیحت کرو اور برائی سے روکو۔“

قرآن کی اس آیہ مبارکہ کے مطابق مسلمان قوم کو قیامت تک پوری دنیا کے لیے رول ماڈل امت بنا دیا گیا۔

مسلمان امت میں ”مسٹر“ اور ”مولانا“ کی کشمکش:

پوری دنیا کی راہنمائی کا منصب عالی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سونپا تھا۔ چونکہ حدیث نبویؐ کے مطابق علمائے اسلام انبیاء کے وارث ہوتے ہیں (اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ) دنیا کی ہدایت کی طرف راہبری کی ذمہ داری سب علماء پر عائد ہوتی تھی لیکن مذہبی علماء نے آسمان سے تو نازل ہونا نہیں تھا، انہوں نے مسلمانوں کے اندر سے ہی تیار ہو کر منصۂ شہود پر آنا تھا لیکن بیسویں صدی کے وسط میں عجیب ستم ظریفی ہوئی۔ 1950ء کی دھائی تک تقریباً تمام مسلمان ممالک سیاسی طور پر آزاد ہو چکے تھے لیکن وہاں پر انگریزوں کے جاری کردہ نظام تعلیم کی وجہ سے مسٹر اور مولانا کی کشمکش جاری رہی۔

دوسری طرف 1950ء کے والدین پر انگریزوں کی مسلط کردہ، ماضی کی غلامی

کا صدمہ (Post Colonial Trauma) یا دوسرے لفظوں میں مغرب کی مرعوبیت ابھی بھی قائم تھی۔ اسلئے ان مسلمان والدین کے جو بچے 1960ء اور 1970ء کے عشروں میں پیدا ہوئے، انہیں ان والدین نے اسلامی علماء بنانے کی بجائے ڈاکٹر یا انجینئر بنانا زیادہ سود مند سمجھا۔ مسلمانوں کی تاریخ میں شاید پہلی مرتبہ والدین نے ذہین دماغ دنیا کی خدمت کے لیے وقف کر دیئے کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ مارکیٹ میں اِس جنس کی مانگ ہے۔ یہ نہ دیکھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مارکیٹ میں کس چیز کی مانگ ہے بلکہ وہ لوگ یہ بات بھول گئے کہ اللہ غنی ہے اور ہم فقیر ہیں۔ اللہ کو ہماری ضرورت نہیں بلکہ ہمیں اللہ کی ضرورت ہے۔ سورہ محمد (ﷺ) جس کی روح دعوت و تبلیغ کا پیغام دیتا ہے، اس سورہ کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَ کُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ ○ (سورہ محمد)

”اگر تم پیٹھ پھیر لو گے تو اللہ تمہاری جگہ ایک اور قوم لے آئے گا اور وہ تمہارے جیسے نہیں ہوں گے۔“

نومسلموں کے خون کی حرارت:

جب مسلمان والدین نے تہذیب حاضر کی چمک سے متاثر ہو کر اپنے بچوں کو انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث (اسلامی علماء) بنانے کے بجائے ڈاکٹرز اور انجینئرز بنانے کا فیصلہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ سورہ محمد (ﷺ) میں فرمایا ہے، اپنے دین کے مشن کو جاری رکھنے کے لیے غیر مسلموں میں سے اپنے بندوں کو چن لیا۔ مریم جمیلہ اپنی بصیرت افروز کتاب Quest for the Truth میں رقمطراز ہیں:

”اسلام دیگر مذاہب مثلاً یہودیت اور عیسائیت سے اس لحاظ سے بالکل مختلف ہے کہ جب بھی امت مسلمہ کا خون سرد ہونے لگتا ہے تو فوراً نومسلموں کے خون کی حدت امت مسلمہ کے

جسم کو پھر سے گرما دیتی ہے۔"

دلچسپ بات یہ ہے کہ 1960ء اور 1970ء کے عشروں میں جب مسلمان والدین نے اپنے بچوں کو دنیاوی تعلیم کے لیے وقف کیا، اسی دور میں مغرب میں غیر مسلموں کے بہترین دماغوں نے اسلام قبول کیا اور آج وہی لوگ دعوت وتبلیغ کے میدان میں اولین صفوں میں کام کر رہے ہیں۔ ذیل میں ان نومسلموں کے نام اور قبول اسلام کا سال پیش کیا جا رہا ہے:

1......مریم جمیلہ: 1962ء میں اسلام قبول کیا۔
2......امام سراج وہاج: 1969ء میں اسلام قبول کیا۔
3......ڈاکٹر بلال فلپس: 1971ء میں قبول اسلام کیا۔
4......ڈاکٹر عمر فاروق عبداللہ: 1970ء میں مسلمان ہوئے۔
5......ڈاکٹر خالد یحیٰ بلیکنشپ: 1973ء میں اسلام کو چنا۔
6......شیخ عبدالحکیم مرادونٹر، 1976ء میں اسلام میں آئے۔
7......امام حمزہ یوسف: 1977 میں اسلام کی آغوش میں آئے۔
8......یوسف اسلام: 1977ء میں اسلام قبول کیا۔
9......امام زید شاکر: 1977ء میں اسلام میں داخل ہوئے۔
10......ایمنہ اسلمی 1977ء میں اسلام کی آغوش میں آئیں۔
11......شیخ نوح حٰم کیلر: 1977ء میں اسلام قبول کیا۔
12......ڈاکٹر گیری ملر 1978ء میں اسلام کو چنا۔

حضور ﷺ نے احادیث مبارکہ میں قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بتائی تھی ''سورج مغرب سے طلوع ہوگا''۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس حدیث کے ظاہری معنوں کے علاوہ اس میں ایک مخفی اشارہ پوشیدہ ہے کہ قیامت کے قریب دور میں مغرب سے حق کی روشنی

پھیلانے والے نمودار ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نومسلم علماء سورہ المائدہ آیت 54 میں بیان کی گئی ان صفات کے مصداق ہیں کہ جو لوگ اللہ سے محبت کرتے ہیں، مومنوں کے ساتھ نرم، کفار کے ساتھ سخت اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہ نہ کرنے والے۔ یہاں پر چند نومسلموں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

مریم جمیلہ (مارگریٹ مارکوس):

مریم جمیلہ اسلام کی عصر حاضر کی عالمہ دین ہیں۔ آباؤ اجداد آسٹریا کے یہودی تھے جو امریکہ آ کر آباد ہو گئے تھے۔ نیویارک میں بچپن گزارا۔ کتابیں پڑھنے کا شدید شوق تھا اور اللہ کی طرف سے ابراہیمی فطرت لے کر پیدا ہوئی تھیں۔ والدین نے اس خوف سے کہ وہ سچائی کی تلاش میں ہیں پاگل خانے میں داخل کروادیا۔ ان کی Brain Washing کرنے کے لیے کتنے ہی ماہرین نفسیات (Psychiatrists) کو انہیں دکھایا لیکن بالآخر محمد اسد (سابق نومسلم لیوپولڈ ویس) کی کتاب "طوفان سے ساحل تک" کے مطالعے سے متاثر ہو کر 1962 میں اسلام قبول کیا۔ انہیں حق کی تلاش میں ایسے بہت سے مسلمان ملے" جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود" لیکن مریم جمیلہ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

اسلام قبول کرنے کی پاداش میں والدین نے گھر سے نکال دیا۔ ان کی علم سے محبت کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب وہ قبول اسلام کے بعد ایک ہوٹل میں مقیم تھیں تو اپنے ہفتہ وار جیب خرچ سے 19 ڈالر ہوٹل کا کرایہ دیتی تھیں۔ اور 15 ڈالر سے کھانا خریدتی تھیں، جب انہیں پتہ چلا کہ قریب کے اسلامی لٹریچر پر مشکوٰۃ شریف آ گئی ہے تو انہوں نے ساڑھے تیرہ ڈالر قیمت ادا کر کے وہ سیٹ خریدا اور پورے ہفتے تقریباً بھوکا رہ کر گزارا کیا۔ مریم جمیلہ نے مولانا مودودیؒ کی دعوت پر 1965ء میں پاکستان ہجرت کر لی۔

انہوں نے اسلام پر بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ حال ہی میں مکتبہ خواتین میگزین نے

مریم جمیلہ کی کتاب Quest for the Truth کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ جس کا عنوان ہے ''سچائی کی تلاش۔'' اس کتاب میں مریم جمیلہ نے خطوط کی صورت میں یہودیت سے اسلام کی طرف اپنے سفر کی روئداد بڑی خوبصورتی کے ساتھ بیان کی ہے جو پڑھنے کے لائق ہے۔

امام سراج وھاج:

ان کا تعلق امریکہ کے سیاہ فام مسلمانوں سے ہے۔ پہلے عیسائیت سے نیشن آف اسلام میں شامل ہوئے جو کہ ایک گمراہ فرقہ ہے جو جھوٹے نبی علیجاہ محمد نے بنایا تھا۔ 1969ء میں جب اصل اسلام کے متعلق پتہ چلا (بالخصوص میلکم ایکس کے حج اور پھر ان کی شہادت کے بعد) تو حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ نیویارک کے شہر بروکلین میں سیاہ فام امریکیوں میں اسلام پھیلانے میں امام سراج وھاج نے اپنی جوشیلی تقریروں سے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔

ڈاکٹر بلال فلپس:(Dr.Bilal Philips)

1990ء کی دہائی کی خلیج جنگ کے دوران میں سعودی عرب میں مقیم امریکی فوجیوں میں سے تقریباً 3000 فوجیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اخباری رپورٹوں میں ان مبلغین کا بہت کم ذکر کیا گیا جن کی کوششوں سے غیر مسلم فوجیوں میں اسلام کی روشنی پھیلی۔ ان مبلغین میں سب سے اہم کردار جس شخصیت نے ادا کیا، وہ کینیڈا کے نومسلم عالم ڈاکٹر بلال فلپس (Dr.Bilal Philips) تھے۔

جس وقت سعودی عرب میں غیر مسلم فوجی صدام حسین کے خلاف جنگ میں مصروف تھے، ڈاکٹر بلال فلپس اپنی انتھک محنت کے ساتھ غیر مسلم افواج کے خیموں میں جا جا کر ان کے دلوں کو فتح کرنے میں مصروف تھے۔ ڈاکٹر بلال فلپس آج کل دوبئی کی امریکن یونیورسٹی میں علم کا

نور پھیلانے میں مصروف ہیں۔ذیل میں ان کی زندگی کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

ڈاکٹر بلال فلپس کی پیدائش جمیکا میں ہوئی لیکن کینیڈا میں پلے بڑھے اور تعلیم حاصل کی۔مذہباً عیسائی تھے۔کالج سے بائیوکیمسٹری (Biochemistry) میں گریجویشن کی۔ اسی دور میں کمیونزم سے متاثر ہوئے اور چین کا دورہ بھی کیا۔انڈیا کے اسلامک وائس (Islamic Voice, vol. 12-07, no.139) کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں انہوں نے اس تجربے کے متعلق بتایا:

''اس دور میں امریکہ میں سیاہ فام باشندوں کے ساتھ برابری کا سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ اسکے برعکس کمیونزم میں معاشرے میں دولت کے مساوی تقسیم کا دعویٰ تھا۔چین سے کینیڈا واپسی پر میں نے کمیونسٹ پارٹی میں شمولیت اختیار کرلی۔لیکن پھر میں نے کمیونسٹوں کو اندر سے دیکھا تو ان کے قول و فعل میں بہت تضاد پایا جاتا تھا۔ان کے لیڈروں کی زندگیوں میں نظم و ضبط کا بہت فقدان تھا۔ہر چیز کا وہ یہی بہانہ بناتے تھے کہ انقلاب کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔وہ لوگ مالی فنڈز میں بھی بہت ہیرا پھیری کرتے تھے اور ان کے لیڈر نشہ کرنے کے عادی تھے۔اس وقت سے مجھ میں دھریت اور کمیونزم کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی۔''

کینیڈا میں کالج کی تعلیم کے دوران ایک خاتون جسے ڈاکٹر بلال فلپس جانتے تھے،اس نے اسلام قبول کیا۔پھر اس کے بھائی نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ڈاکٹر بلال نے بھی مختلف ادیان کا مطالعہ شروع کیا۔اس دوران میں انہوں ایک خواب بھی دیکھا کہ وہ سٹوریج ہاؤس میں کوئی چیز لینے گئے اور چیز کی تلاش میں اندر چلتے گئے۔آخر کار انہوں نے واپس جانے کا ارادہ کیا لیکن واپسی کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔بہت کوشش کی لیکن سب راہیں بند پائیں۔آخر اس خوف کی حالت میں انہیں یقین ہوگیا کہ اب انہیں یہاں سے اللہ کی ذات ہی نکال سکتی ہے۔عین اسی لمحے ان کی آنکھ کھل گئی۔اس کے بعد انہیں خدا کے وجود کا یقین ہوگیا۔حق کی تلاش کے دوران مصر کے عالم محمد قطب ﷾ کی کتاب ''اسلام اور جدید ذہن کے شبہات'' کا انگریزی ترجمہ پڑھنے کا اتفاق

ہوا۔اور پھر مولانا مودودیؒ کا رسالہ دینیات (Towards Understanding Islam) پڑھا جس سے انہیں اسلام کی حقانیت کا یقین ہوگیا۔انہوں نے کالج میں اسلام کا دفاع شروع کردیا۔بالآخر کچھ عرصہ کے غور وفکر کے بعد 1972ء میں اسلام قبول کرلیا۔

ڈاکٹر بلال فلپس اسلامی علوم کی تحصیل کے لیے سعودی عرب چلے گئے اور مدینہ یونیورسٹی سے 1979ء میں ''اصول الدین'' میں بی اے (B.A) کی ڈگری حاصل کی۔پھر 1985ء میں ریاض یونیورسٹی سے اسلامی فقہ میں ایم اے (M.A) کی ڈگری حاصل کی۔1979ء سے 1987ء تک ریاض کے سیکنڈری اور ہائی سکولوں میں اسلامی علوم اور عربی زبان کی تعلیم دیتے رہے۔1994ء میں انگلستان کی یونیورسٹی آف ویلز (University of Wales) سے اسلامی فقہ (Islamic Theology) میں پی ایچ ڈی (Phd) کی ڈگری حاصل کی۔چند سال میں فلپائن کی ''شریف کَـــنــسُـــوَان اسلامی یونیورسٹی'' کے اسلامی علوم کے ڈیپارٹمنٹ میں .M.Ed کے طالب علموں کو اسلامی فقہ پر درس دیتے رہے۔

ڈاکٹر بلال فلپس کے والدین پکے عیسائی تھے۔ان کے والد انگلش کے ٹیچر تھے۔غیر مسلم ہونے کے باوجود وہ اپنے بیٹے کی اسلام پر کتابوں کی پروف ریڈنگ بھی کرتے تھے۔ڈاکٹر بلال فلپس مسلسل اپنے غیر مسلم والدین کو اسلام کی تبلیغ کرتے رہے اور ہمت نہ ہاری۔20 سال کے بعد بالآخر ان کے والدین نے اسلام قبول کرلیا۔

غیر مسلم فوجیوں میں اسلام کی تبلیغ:

1990ء کی دہائی میں سعودی ایئرفورس کے محکمۂ مذہبی امور نے ڈاکٹر بلال فلپس کو سعودی عرب کے صحراؤں میں مقیم غیر مسلم فوجیوں کو اسلام کی تبلیغ کے کام کے لیے مامور کیا۔اس بارے میں ڈاکٹر بلال فلپس نے ایک انٹرویو میں بتایا:

''امریکی فوجیوں میں اسلام کے متعلق مخصوص غلط فہمیاں پائی جاتی تھیں۔امریکہ میں انہیں تھا کہ مسجد کے دس فٹ بھی قریب نہ جائیں۔ہم نے انہیں مساجد اندر سے دکھائیں۔وہ لوگ

مسجدوں کی اندرونی سادگی سے بہت متاثر ہوئے۔ جب وہ سعودیہ میں پہلی بار آئے تو انہیں یہاں کی مسلم خواتین کا پردہ بہت حیران کن لگا۔لیکن یہاں کے مسلم معاشرے میں رہنے سے ان کی آنکھیں کھل گئیں۔امریکی فوجیوں کو وہاں کے صحراؤں میں مقیم بدوؤں کی مہمان نوازی نے بہت متاثر کیا جو ان کی تازہ کھجوروں اور دودھ سے خاطر مدارت کرتے تھے۔انہوں نے جاپان اور کوریا میں کئی سال کے قیام کے باوجود ایسی مہمان نوازی نہیں دیکھی تھی۔وہ بتاتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے امریکہ آکر فوج میں بھی اسلامی شعبوں کی تشکیل دی۔یہ نومسلم فوجی آج امریکہ کی فوج کے اندر اسلام کے مبلغین کا کام کر رہے ہیں۔" (Islamic Voice, July 1998)

یوں ڈاکٹر بلال فلپس کے اسلام کے متعلق لیکچرز سن کر سینکڑوں فوجیوں نے اسلام قبول کیا۔

ڈاکٹر بلال فلپس کی موسیقی سے توبہ:

ڈاکٹر بلال فلپس قبول اسلام سے پہلے کینیڈا کے دارالخلافہ ٹورانٹو کے ایک نائٹ کلب میں ایک میوزیکل گروپ کے ساتھ گانا بجانا کیا کرتے تھے اور اپنے میوزیکل بینڈ کے گٹارسٹ (Guitarist) تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

"تمام بنی آدم خطا کار ہیں اور ان میں سے بہترین وہ ہیں جو توبہ کر لیتے ہیں۔" (ترمذی)

توبہ کا دروازہ ہر کسی کے لیے کھلا ہوا ہے۔جب تک کہ انسان کا نزع کا وقت نہ شروع ہو جائے۔کچھ لوگ مثالی توبہ کرتے ہیں۔ان ہی میں ایک ڈاکٹر بلال فلپس ہیں۔جو موسیقی میں صرف دلچسپی ہی نہ رکھتے تھے بلکہ اس فن میں امام سمجھے جاتے تھے۔پھر اللہ کی مہربانی سے انہوں نے نہ صرف گانے بجانے سے توبہ کی بلکہ اسلام قبول کر کے اسلامی علوم کی تحصیل میں اپنی زندگی لگا دی، اسلامی فقہ پی ایچ ڈی حاصل کی اور اس وقت سے پوری دنیا میں اسلامی علوم کی تبلیغ اور

تدریس میں مصروف ہیں۔ ایک مرتبہ اپنے ایک لیکچر میں چند نوجوان نے ان سے اسلام میں موسیقی کے مقام اور اپنے ذاتی تجربات پر روشنی ڈالنے کو کہا تو ڈاکٹر بلال فلپس نے درج ذیل جواب دیا:

''حقیقت یہ ہے کہ میں نہ صرف موسیقی سنتا تھا بلکہ میں خود بھی گلوکار تھا۔ میں مختلف قسم راک میوزک میں شامل رہا۔ میں گٹار (Guitar) بجایا کرتا تھا اور ٹورانٹو کے ایک نائٹ کلب میں ایک میوزیکل گروپ کے ساتھ گانے گایا کرتا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد شروع میں تو مجھے کسی نے نہیں بتایا کہ اسلام میں موسیقی حرام ہے۔ اس لیے میں ٹورانٹو کے مختلف نائٹ کلبوں میں گانا بجانا کرتا رہا۔ میں کینیڈا کے شہر وینکوور (Vancour) میں بھی میوزیکل شوز کرتا تھا۔ تاہم اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے یہ محسوس کرنا شروع کیا کہ جب میں نائٹ کلب میں ہوتا تھا تو وہ مجھے ایک مختلف دنیا لگتی تھی۔ میرے میوزیکل گروپ کے باقی تمام گلوکار منشیات کا استعمال کرتے تھے۔ نائٹ کلب میں تقریباً ہر شخص کسی نہ کسی چیز کا نشہ کرتا تھا اور وہاں پر صرف میں ہی ایک ایسا شخص تھا جسکی عقل سلامت تھی۔ اور گو کہ میں جسمانی لحاظ سے وہاں پر موجود ہوتا تھا لیکن میں وہاں کے حالات کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ مجھ پر بہت جلد واضح ہو گیا کہ وہ ماحول کتنا منحوس تھا۔ اب میرے لئے یہ ممکن نہ رہا تھا کہ میں اس کا حصہ بنا رہوں۔ اس لئے میں نے خود ہی یہ فیصلہ کر لیا کہ میں موسیقی کو خیر باد کہہ دوں۔ میں نے اپنے تمام آلات موسیقی اور ریکارڈ بیچ ڈالے یا ضائع کر دیئے۔ بعد میں اسلامی تعلیمات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد مجھ پر یہ آشکار ہوا کہ موسیقی اسلام میں حرام ہے۔

میں اس بات سے بخوبی واقف ہوں کہ لوگوں پر موسیقی کے اثرات بہت گہرے ہوتے ہیں۔ یہ بہت شدت والے اور انسان کو لت لگانے والے (Addictive) ہوتے ہیں۔ موسیقی کے اثرات اتنے شدید ہوتے ہیں کہ لوگ کسی بھی لمحے کوئی بھی گانا اپنے ذہن میں دہرا سکتے ہیں جو انہوں نے دس سال پہلے سنا ہو۔ گانا حرف بہ حرف مکمل طور پر وہاں موجود ہوتا ہے کیونکہ وہ انسان کے دل میں جگہ بنا لیتا ہے اور آہستہ آہستہ انسان کا دل ایسے گانوں سے بھر جاتا ہے۔ پھر جب وہی انسان قرآن وحدیث پڑھتا ہے تو وہ انسان کے دل میں گھر نہیں کر سکتے

کیونکہ قرآن اور گانے ایک ہی جگہ نہیں رہ سکتے۔ ہم جتنی زیادہ موسیقی سنیں گے، ہمارے دلوں میں روحانی چیزوں کے لیے اتنی ہی کم جگہ ہوگی یعنی قرآن، حدیث اور دیگر دینی علوم اور بالآخر موسیقی جسے اکثر علمائے اسلام نے ''شیطان کا کلام'' کہا ہے وہ دل میں ایمان کی جگہ آ جائے گا۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ موسیقی ہمارے اوپر اثر انداز نہیں ہوگی اور ہم صرف پڑھائی کرتے ہوئے یا کوئی کام کرتے ہوئے اسے سنتے ہیں لیکن انسان کے دل ودماغ اس طرح کام کرتے ہیں کہ اگر ہم کسی سسٹم میں ''Data'' مسلسل ڈالتے رہیں تو اس میں تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے لیکن یہ تبدیلی فوراً نہیں ہوتی بلکہ آہستگی سے ہوتی ہے۔ دراصل گانے انسان کے تحت الشعور پر اثر انداز ہوتے ہیں اور آخر کار انسان کے کردار اور رویے کو تبدیل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور یقیناً یہ چیز انسان کو اللہ سے دور کر دیتی ہے کیونکہ اگر موسیقی اور گانا بجانا انسان کو اللہ سے قریب کرتا تو اسلام نے اس کی ممانعت نہ کی ہوتی اس لیے ایک مسلمان کے لیے موسیقی کی عادت سے چھٹکارے کا مطلب ہے کہ وہ اپنے پاس موجود تمام گانے بجانے کے ریکارڈ، کیسٹیں، سی ڈیز (Cds) وغیرہ سے چھٹکارا حاصل کرے کیونکہ ہم موسیقی سے ایسی حالت میں تو نہیں کر سکتے کہ ہمارے پاس یہ چیزیں بدستور موجود ہوں۔ ایسی صورت میں ان میں دوبارہ ملوث ہو جانے کا خطرہ ہے۔ اسلئے ہمیں چاہیے کہ ایسی پھانسنے والی چیزوں سے دور رہیں۔ تلاوت قرآن مجید زیادہ سے زیادہ سنیں۔ عربی زبان سیکھنے کی کوشش کریں تاکہ جب ہم قرآن سنیں تو ہمیں اسکے معانی سمجھ آئیں۔ اور ہمیں ایسے لوگوں کی صحبت میں رہنا چاہیے جو اسطرح کے گناہ کے کاموں سے دور رہتے ہیں کیونکہ اگر ہم ایسے لوگوں سے دوستی کریں گے اور ایسے لوگوں کے ساتھ وقت گزاریں گے جو ہر وقت موسیقی سنتے رہتے ہیں تو ہمارے اس گناہ میں دوبارہ پھنس جانے کے امکانات بہت زیادہ ہوں گے۔''

(Discussion with youth, Audio speech)

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر ڈاکٹر بلال فلپس نے بتایا کہ جب انہوں نے اسلام قبول کیا اور موسیقی سے توبہ کرلی تو وہ اپنے گھر میں اپنے غیر مسلم دوستوں کو اسلام کی دعوت وتبلیغ کرنے کے لیے بلایا کرتے تھے۔ انہوں نے بتایا:

''میں نے یہ نوٹ کیا کہ میرے گھر میں مدعو غیر مسلم دوست احباب جب مجھ سے گفتگو میں مصروف ہوتے تھے تو وہ کچھ اکتاہٹ محسوس کرتے تھے کیونکہ ہمارے کمرے میں بیک گراؤنڈ میں موسیقی نہیں چل رہی ہوتی تھی۔ انہیں کسی چیز کی کمی کا احساس ہوتا تھا۔

دراصل یہ مغربی تہذیب کا بہت بڑا ہتھکنڈہ ہے کہ چاہے ہم کسی ڈیپارٹمنٹل سٹور میں ہوں یا لیٹرین میں یا گاڑی میں ہوں، ہر وقت موسیقی پس منظر میں چل رہی ہو۔ ہر دم موسیقی سے لذت پانے سے یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ ہم ہر وقت دنیاوی لذات اور مادی خواہشات میں غرق رہیں اور اللہ کی یاد سے غافل رہیں۔ وہ اس بات کی یقین دہانی کرتے ہیں کہ ہمارے پاس اتنا وقت نہ ہو کہ ہم اپنی زندگی کے اصل مقصد کے بارے میں سوچ سکیں۔''

یہ ایک حقیقت ہے کہ موسیقی اور گانے بجانے کا اصل مقصد انسان کی روح کو سلا کر اسکے جسم کی خواہشات کو بیدار کرنا ہوتا ہے۔ بقول اقبال:

چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ ، جسم کو بیدار

اسکے برعکس قرآن انسان سے ایک بنیادی سوال پوچھتا ہے: ''فاین تذهبون'' (سورۃ التکویر: 26) (اے انسان! تو کہاں جارہا ہے؟)

آخر ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ ہماری موت کا مقصد کیا ہے؟ ہم آخر کس سمت میں جارہے ہیں۔ یہ وہ سوالات ہے جو قرآن ہم سے کرتا ہے اور صرف وہی ان کے جوابات بھی مہیا کرتا ہے۔

ڈاکٹر بلال فلپس کے پی ایچ ڈی کے مقالے کا موضوع تھا: ''اسلام میں جھاڑ پھونک کی

رسم" (The Exorcist Tradition in Islam)۔اس کی تحقیق کے سلسلے میں 1991ء میں انہوں نے انڈیا کا دورہ کیا۔ پھر 1997ء میں دوبارہ انڈیا آئے۔ انہوں نے اسلامک وائس کے نمائندے کو انٹرویو میں بتایا: "جب میں نے 1997ء میں ریاست کیرالا کا دورہ کیا تو مجھے مسلمانوں میں اسلام کا شعور نسبتاً زیادہ محسوس ہوا۔ میں نے دیکھا کہ جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت اور اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن جیسی تنظیمیں اسلام کی تبلیغ اور مسلمانوں کی اصلاح کا بہت اچھا کام سرانجام دے رہی ہیں۔ جماعت اسلامی کے کام کا محور زیادہ تر یونیورسٹیاں اور انتہائی پڑھے لکھے لوگ (Intellectuals) ہیں۔ان تمام تنظیموں کو مل جل کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔" (Islamic Voice.July,1998)

ڈاکٹر بلال فلپس اسلامی فقہ کی درس وتدریس اور اسلام کی تبلیغ کے علاوہ متعدد اسلامی کتب کے مصنف بھی ہیں۔ انکی چند کتابیں درج ذیل ہیں جو سب انگلش زبان میں ہیں۔

1۔ مذاہب فقہ کا ارتقاء

2۔ عربی کا فن خطاطی

3۔ امام ابن تیمیہؒ کا جنات کے متعلق مضمون

4۔ تفسیر سورۃ الحجرات

5۔ توحید کی بنیادیں

6۔ قرآن وسنت کے مطابق حج وعمرہ

7۔ قرآن کی تفسیر کے اصول

8۔ تلبیس ابلیس

9۔ اسلام اور تعدد ازدواج

10۔ اسلام میں جھاڑ پھونک کی رسم

شیخ نوح حم کیلر:

شیخ نوح حم کیلر ایک امریکی نومسلم ہیں انہوں نے اسلامی فقہ کی عربی کتابوں کا انگریزی ترجمہ کیا ہے اور خود بھی اسلامی فقہ کے ماہر ہیں۔ فقہ شافعی کے پیروکار ہیں اور تصوف کے شاذلی سلسلے میں شیخ طریقت بھی ہیں۔

شیخ کیلر 1954ء میں امریکہ میں پیدا ہوئے۔ اور امریکی ریاست واشنگٹن میں پرورش پائی۔ یونیورسٹی آف شکاگو اور لاس اینجلس کی یونیورسٹی آف کیلفورنیا (UCLA) سے فلسفے اور عربی میں تعلیم حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے مصر چلے گئے۔ 1977ء میں جامعۃ الازہر، قاہرہ میں اسلام قبول کیا اور اس کے بعد وہاں پر علوم الحدیث حنفی اور شافعی فقہ کا علم، اصول الفقہ اور عقیدہ کا علم حاصل کیا۔ 1980ء سے آپ کا قیام سوریا اور اردن میں ہے۔

گو کہ شیخ نوح نے رومن کیتھولک ماحول میں آنکھیں کھولیں لیکن قدرت نے انہیں نہایت بیدار اور تیز ذہن عطا فرمایا تھا۔ ان کے بقول ایک مرتبہ جب نوجوانی کے ابتدائی دور میں ان میں الہامی کتاب پڑھنے کی خواہش نے انگڑائی لی اور پھر ایک کرسمس کے موقع پر کسی نے انہیں بائبل کا خوبصورت نسخہ دیا تو جب انہوں نے اسے پڑھنے کی کوشش کی تو انہیں اس میں بہت سے تضادات نظر آئے۔ جب وہ یونیورسٹی گئے تو انہوں نے تحقیق سے پتہ چلایا کہ خود جدید عیسائی مؤرخین کے مطابق بھی بائبل کے عہدنامہ جدید (New Testament) میں ایسی بہت سی روایات ہیں، جن کے مستند ہونے میں بہت شک پایا جاتا ہے۔

عیسائیت سے مایوس ہو کر شیخ نوح کیلر نے یونیورسٹی میں فلسفے کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی اور شاپنہاور (Schopenhauer) اور نطشے (Nietzsche) کے فلسفے کا گہرائی میں مطالعہ کیا۔ اسی دور میں شیخ نوح کیلر نے قرآن کا انگریزی ترجمہ پڑھا (دل میں شکوک وشبہات کے ساتھ) اس لیے انہوں نے قرآن کی عظمت کو جھجکتے ہوئے دل سے مانا۔ دراصل شیخ

نوح نے قرآن کا جو ترجمہ اٹھایا تھا، وہ ایک متعصب عیسائی مستشرق جارج سیلز کا کیا ہوا ترجمہ تھا جس کی ہر سطر میں سے زہر ٹپکتا تھا۔ البتہ شیخ نوح کو اس بات کا اندازہ تھا کہ عربی زبان میں قرآن فصاحت کا شاہکار ہے۔ اس لیے انہوں نے یہ خواہش محسوس کی کہ وہ عربی زبان سیکھیں۔ اپنی مختصر سوانح عمری میں جو کہ مظفر حلیم کی کتاب The Sun is Rising in the West (مطبوعہ میری لینڈ 1999ء) میں بھی وہ ایک واقعہ لکھتے ہیں:

''انہی دنوں میں ایک مرتبہ میں چھٹیوں میں کالج سے گھر جا رہا تھا۔ میں گندم کے کھیتوں کے درمیان ایک مٹی کی پگڈنڈی پر چل رہا تھا اور اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا۔ میرے دل میں کچھ ایسا الہام ہوا کہ میں نے محسوس کیا کہ یہ عبادت کا ٹائم ہے ایک خدا کی عبادت اور اس کے آگے جھکنے کا وقت۔ یہ ایک خیال تھا جو تیزی سے میرے دل سے گزرا یا شاید یہ اس سمجھ بوجھ کی ابتداء تھی کہ دہریت (Atheism) ایک نا قابل اعتبار تصور ہے۔''

پھر شیخ نوح کیلر نے یونیورسٹی آف شکاگو میں داخلہ لے لیا اور وہاں پر مغربی فلسفے کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی۔ چونکہ یونیوسٹی آف شکاگو ایک بہت اعلیٰ اور مہنگی یونیورسٹی ہے۔ اس لیے اس کی فیس کے پیسے جمع کرنے کے لیے گرمی کی چھٹیوں میں شیخ نوح نے امریکہ کی برفانی ریاست الاسکا (Alaska) میں مچھیرے (Boat Fishing) کی نوکری شروع کر دی۔ یہ بذات خود ایک علمی تجربہ تھا۔ شیخ نوح اپنے اس تجربے کے بارے میں اپنی سوانح عمری میں لکھتے ہیں:

''کشتیوں میں میری ملاقات بہت سے لوگوں سے ہوئی اور میں نے ہواؤں، پانی، طوفانوں اور بارش کی طاقت اور عظمت کی ایک جھلک دیکھی اور انسان کے چھوٹے پن کی یہ چیزیں ہمارے سامنے ایک وسیع وعریض کتاب کی طرح تھیں لیکن میرے ساتھ کے مچھیروں کو

ایک ہی دھن تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ مچھلیاں پکڑیں اور گاہکوں کو بیچ دیں......

کبھی کبھار ایسا ہوتا کہ ہمارے اردگرد کی مضبوط طاقتیں ہمیں جھنجھوڑ کر رکھ دیتیں اور ہم سوچتے کہ کیا ہم اس میں سے زندہ بچ سکیں گے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ ان لمحات میں خدا کو مدد کے لیے پکارتے لیکن جب ہم صحیح سلامت کنارے تک پہنچ جاتے تو ہم انسانوں والا کام کرتے کہ خدا کو بالکل بھلا دیتے۔ گویا کہ وہ لمحات تو ہمارے ذہنوں میں پاگل پن کی طرح کچھ دیر کے لیے آئے تھے۔ سمندر کے سفر کا یہ ایک سبق تھا کہ ایسے لمحات نہ صرف وقوع پذیر ہوتے ہیں بلکہ شاید ہماری زندگی کا ایک اہم حصہ ہوتے ہیں۔ انسان چھوٹا اور کمزور ہے۔ جبکہ اس کے اردگرد کی طاقتیں بڑی ہیں اور انسان انہیں کنٹرول نہیں کرتا۔ کبھی کوئی کشتی طوفان میں ڈوب جاتی اور اس میں سوار لوگ مر جاتے۔ مجھے ایک مچھیرے کا واقعہ یاد ہے کہ وہ میرے قریب ایک دوسری کشتی میں ہوتا تھا۔ اور میری طرح کی جاب کرتا تھا یعنی مچھلی پکڑنے کے لیے جال پھینکتا۔ وہ پانی میں جال پھینکتے ہوئے مسکرا رہا ہوتا تھا۔ کچھ ہفتوں کے بعد ایک مرتبہ طوفان میں مچھلیاں پکڑتے ہوئے اس کی کشتی الٹ گئی اور وہ اپنے ہی جال میں پھنس کر پانی میں ڈوب گیا۔ اس کے بعد میں نے اسے صرف ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی کشتی سے مجھے مدد کے لیے پکار رہا تھا۔

شیخ نوح نے یونیوسٹی آف شکاگو میں اپنی پڑھائی جاری رکھی۔ فلسفے کے ساتھ ساتھ اب انہوں نے علم کلام کا علم حاصل کرنا شروع کیا اور جرمن فلسفی ہیگل (Hegel) کے فلسفے کا مطالعہ شروع کیا۔

اسی دور میں شیخ نوح نے اسلام کے بارے میں کئی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ اسلام پر دیگر کتابیں پڑھنے کے علاوہ انہوں نے مغربی مستشرق منٹگمری واٹ (Montgomery Watt) کی ترجمہ کی ہوئی امام غزالیؒ کی کتب پڑھنے کا بھی اتفاق ہوا جو کہ بذات خود ایک دو

رمیں یونانی فلسفے کے پیچ وتاب اور شکوک میں مبتلا رہ چکے تھے اور بالآخر 10 سال کی صحرانوردی اور مراقبے اور تفکر کے بعد امام غزالیؒ اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ کمال علم نبوت ہے۔ دنیا کے علوم میں نبوت کے علم کی روشنی کے مقابلے میں کوئی علم نہیں ٹھہر سکتا۔ یہ پڑھ کر شیخ نوح کو سمجھ آ گئی کہ حق اور باطل کا امتیاز صرف علم نبوت کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت شیخ نوح نے دوبارہ قرآن کا انگریزی ترجمہ حاصل کیا جو اے جے آربیری نے کیا تھا۔ اب شیخ نوح کی کیفیت کچھ اور تھی۔ اب انہیں قرآن کی ہر سطر بائبل سے اعلیٰ نظر آ رہی تھی۔ اب انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ یہ خدائی کلام ہے۔ قرآن کے مسحورکن انداز نے ان کے دل پر گہرا اثر چھوڑا۔

اب شیخ نوح نے مصر جا کر عربی سیکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس لئے انہوں نے مزید تین ماہ الاسکا جا کر ماہی گیری کر کے مزید پیسے جمع کیے اور قاہرہ عربی پڑھنے کے لیے چلے گئے۔ اپنی سوانح عمری میں شیخ نوح کیلر لکھتے ہیں:

''مصر میں میں نے وہ چیز دیکھی جو بہت سے لوگوں کو اسلام کی طرف لاتی ہے یعنی سلام کے پیروکاروں پر توحید کا اثر۔ جس کا سب پر بہت زیادہ اثر ہوا۔ مجھے مصر میں بہت سے مسلمان ملے۔ کچھ اچھے اور کچھ برے لیکن ان سب کی شخصیت پر قرآنی تعلیمات کا کم یا زیادہ اثر پایا جاتا تھا۔ جو کسی دوسری جگہ میں نے نہیں دیکھا۔

اس بات کو پندرہ برس بیت گئے ہیں لیکن کچھ مسلمان مجھے آج بھی یاد ہیں۔ جنہوں نے میری شخصیت پر گہرے نقوش مرتسم کئے۔ ان میں سے ایک وہ شخص تھا جو مقیاس کے باغوں کے قریب نہر نیل کے کنارے نماز ادا کر رہا تھا۔ میں اس کے سامنے سے گزرنے لگا لیکن اچانک میں نے سوچا کہ وہ اپنے رب کے ساتھ عبادت میں مصروف ہے، اس لیے مجھے اس کے پیچھے سے گزرنا چاہیے۔ وہ شخص مجھ سے بے خبر اپنے رب سے مناجات میں مشغول تھا۔ میرے ذہن پر اس بات نے گہرے اثرات مرتب کیے کیونکہ پبلک میں عبادت کرنا ایک ایسی چیز ہے جو ہم مغربی

ممالک میں کبھی نہیں دیکھتے۔

اسی طرح مصر کے ایک قصبے خان الخلیلی ۔ کے قریب ایک سکول کے لڑکے سے میری ملاقات ہوئی چونکہ میں کچھ عربی بول لیتا تھا اور وہ کچھ انگلش بول لیتا تھا، اس لیے وہ مجھے اسلام کی تعلیمات کے متعلق بتاتے ہوئے میرے ساتھ کئی میل پیدل چلا اور ہر ممکن طریقے سے اسلام کے متعلق مجھے بتایا۔ جب ہم جدا ہونے لگے تو اس نے میرے خیال میں مجھے دعا دی کہ میں اسلام قبول کرلوں۔

ایک اور شخص جس نے مجھ پر اثر چھوڑا، میرا یمنی دوست تھا جو میری درخواست پر میرے لیے قرآن کا عربی نسخہ لایا تاکہ مجھے عربی سکھائے۔ میرے ہوٹل میں ٹیبل نہیں تھا، اسلیے میں نے عادتاً قرآن کو زمین پر رکھ دیا۔ میرے یمنی دوست نے خاموشی سے قرآن کو اٹھایا اور اونچی جگہ رکھ دیا۔ مجھے پتہ ہے کہ وہ شخص مذہبی نہیں تھا لیکن اس نے قرآن کی عزت میں یہ کام کیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ میں دریائے نیل کے کنارے اپنی سائیکل لیے پیدل چلا جا رہا تھا۔ میں خود اور میرے کپڑے غبار آلود تھے۔ اتنے میں ایک بڑی عمر کی خاتون جو سر سے پاؤں تک برقعے اور نقاب میں ملبوس تھی، میری طرف آئی اور میری طرف دیکھے بغیر اور مجھے کچھ کہے بغیر میری ہتھیلی میں پیسے کا سکہ رکھا۔ میں اتنا حیران ہوا کہ مجھ سے پیسے زمین پر گر گئے ۔ جتنے دیر میں میں نے وہ سکہ دوبارہ زمین سے اٹھایا، وہ خاتون بہت دور جا چکی تھی۔ اس محترم خاتون نے سوچا کہ میں کوئی غریب شخص ہوں، چاہے میں غیر مسلم تھا لیکن اس خاتون نے بغیر کسی بدلے کی امید کے صرف اپنے اور اپنے رب کے درمیان تعلق کی خاطر یہ عمل کیا۔ اس خاتون کے اس عمل نے مجھے اسلام کے متعلق بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا۔''

''جب قاہرہ میں میرے ایک دوست نے مجھے کہا: ''آخر آپ اسلام کیوں نہیں قبول

کر لیتے؟'' تو میں نے یہ محسوس کیا کہ اللہ نے میرے دل میں اس مذہب کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی خواہش پیدا کر دی ہے۔ وہ مذہب جو اپنے پیروکاروں کو سیراب کرتا ہے، چاہے وہ سادہ ترین دل کے مالک ہوں یا ذہین ترین دماغ سے بہرور۔ انسان اپنے دماغ سے اسلام قبول نہیں کرتا بلکہ اللہ کی رحمت سے اسلام قبول کرتا ہے بالآخر یہی چیز مجھے 1977ء میں قاہرہ میں اسلام کے اندر لے آئی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ○ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○ (سورہ الحدید: 17،16)

''کیا ایمان لانے والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ایک لمبی مدت ان پر گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور آج ان میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں؟ خوب جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ ہم نے نشانیاں تم کو صاف صاف دکھا دی ہیں۔ شاید کہ تم عقل سے کام لو۔''

شیخ نوح تصوف کے شاذلی سلسلے شیخ طریقت بھی ہیں آپ کو آپ کو مرشد مرحوم عبدالرحمٰن الشاغوری الشاذلی نے دمشق میں خرقہ خلافت عنایت کی۔ شیخ نوح کیلر کے شاگرد پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ہر سال شیخ نوح مختلف ممالک کا دورہ کرتے ہیں جہاں وہ اپنے شاگردوں کو روحانیت کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان ممالک میں کینیڈا، امریکہ، برطانیہ، ترکی، آسٹریلیا، مصر اور پاکستان شامل ہیں۔

شیخ نوح کی تصانیف میں عربی کی فقہ شافعی کی کتاب عمدۃ السالک کا انگریزی ترجمہ"Reliance of the Traveller" (مطبوعہ السنۃ بکس، 1991ء) شامل ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے امام نووی کی "المقاصد" (فقہ شافعی کی تلخیص) کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے۔اس کے چارلس ڈارون کے نظریہ ارتقاء پر بھی اسلامی نقطہ نگاہ سے تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے آپ نے کتاب"Evolution Theory in Islam" بھی لکھی ہے ۔آپ"A Port in a Storm"اور"Tariqa Notes" کے مصنف بھی ہیں۔

شیخ نوح کے متعلق ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ آپ اسلام قبول کرنے سے پہلے موسیقی میں خاصی دلچسپی رکھتے تھے۔اسلام قبول کرنے کے بعد جب آپ نے اسلامی فقہ اور قرآن وحدیث کا گہرائی سے مطالعہ کیا تو آپ کا موسیقی کے متعلق نقطہ نظر بدل گیا۔اب آپ کا موسیقی کے متعلق وہ نظریہ ہو گیا جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ایک مرتبہ جب شیخ نوح سے ریکارڈ کی ہوئی موسیقی (یعنی CD، کیسٹیں، Ipod، MTV وغیرہ) کے جائز ہونے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے درج ذیل فتویٰ دیا جو آپ کے تبحر علمی ظاہر کرتا ہے:

"کچھ لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ریکارڈ ہوئے میوزک کو سننے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ وہ تو ریکارڈنگ سے آرہا ہے۔اور کوئی موسیقار اس وقت وہ میوزک بجا رہا نہیں ہوتا۔ یہ رائے قابل اعتماد نہیں کیونکہ 2002ء میں امریکہ میں ریکارڈ کیے ہوئے میوزک)یعنی گلوکاروں کی کیسٹیں، CDs وغیرہ) کے بکنے سے جو آمدنی ہوئی وہ 12 بلین ڈالر تھی ۔ جبکہ گلوکاروں اور موسیقاروں کے پروگراموں میں رو..ِ گانے سننے والوں سے جو آمدنی ہوئی وہ 1.7 بلین ڈالر تھی۔ اس لئے یہ واضح ہے کہ لوگ یہ خریداری صرف موسیقی کی وجہ سے کرتے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کی کم ازکم چھ(6) صحیح احادیث واضح طور پر موسیقی اور گانے بجانے کو حرام قرار دیتی ہیں۔پس اگر دل میں تقویٰ اور ایمان موجود ہے تو حکم شریعت صاف طور پر آلات موسیقی کو حرام قرار دیتا ہے۔اس میں

شک نہیں کہ رسول کریم ﷺ نے یہ فرمایا تھا اور ہمارے فائدے کے لیے فرمایا تھا۔ اور راہ سلوک کے مسافر (سالکین) بخوبی جانتے ہیں کہ توبہ سے پہلے کے دور کے سنے ہوئے موسیقی کے راگ اور گانوں کے بول ہمارے ذہنوں سے محو کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے تاکہ ہم تلاوت قرآن کی حلاوت محسوس کر سکیں اور ذکر ہماری روح پر اثر کر سکے وغیرہ وغیرہ۔ اگر ہم موسیقی کی فطرت پر غور کریں تو یہ دراصل بغیر کسی آمیزش کے موسیقار کے نفس میں کیوں داخل ہونے دیں۔ موسیقی کے زہریلے اثر کا افلاطون اور بہت سے دوسرے مفکرین بخوبی اندازہ کر لیا تھا......

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ موسیقی سننا اور میوزیکل کانسرٹس میں جانا جائز ہے وہ اندھے ہیں اور جو فقہاء ایسے فتوے دیتے ہیں وہ بھی اندھے ہیں کیونکہ فتوے کا ایک مقصد تزکیہ نفس ہوتا ہے......قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا. (کامیاب ہوا وہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا) (سورۃ الشمس)

اللہ نے قرآن میں ہمیں شریعت کا یہی مقصد بتایا ہے۔ یہ فتوے کا اصل مقصد ہے (Interest of Fatwa) یہ اس لیے نہیں ہوتا کہ لوگوں کو چھوٹ دے دی جائے کہ وہ جو چاہیں کریں۔ آج کے کئی نام نہاد فقہاء یا مفتی فتویٰ کے اصل مقصد کو نظر انداز کر دیتے ہیں، جنہیں اس کا اندازہ نہیں ہوتا کہ تزکیہ نفس کیا چیز ہے، ہم جو فتویٰ دے رہے ہیں اس کا پوچھنے والے شخص کی روح پر کیا اثر ہوگا، ہمارے فتوے کے نتیجے میں اس شخص کے دین کا کیا بنے گا۔ یہ ایسا مقصد ہے جس سے ہر فتویٰ دینے والے کو واقف ہونا چاہیے اور اسے اس کا التزام کرنا چاہیے۔ اور ہمارے دور میں کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو فتوے دیتے ہیں لیکن وہ حقیقی مفتی نہیں، چاہے انہوں نے تمام مذاہب فقہ کی ساری کتابیں زبانی یاد کر لی ہوں اور چاہے وہ جامع الازہر میں امام ہوں یا کسی بھی اور جگہ۔ اگر وہ یہ فتویٰ دیں گے کہ موسیقی حلال ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ انہیں موسیقی کے انسانی نفس پر اثرات کا علم نہیں اور انہیں انسانی نفس پر امریکن میوزک کا بالخصوص پتہ نہیں۔"

امام صہیب ویب:(Suhaib Webb):

امام صہیب ویب امریکہ کے مسلم نوجوانوں میں ہر دلعزیز عالم اسلام مقرر اور اسلامی امریکن کمیونٹی کے متحرک کارکن ہیں۔ اصل نام ولیم ویب (William Webb) تھا اور پیدائش 1972ء میں امریکی ریاست اوکلاہوما(Oklahoma) میں ایک مذہبی عیسائی گھرانے میں ہوئی۔ امریکہ کی سفید فام نسل سے ہیں۔ نوجوانی کے دور میں پہلے تو مذہب پر سے یقین اٹھ گیا اور پھر بعض قوانین کی خلاف ورزی کرنے کی پاداش پولیس نے حراست میں رکھا۔ پھر پاپ میوزک میں شامل ہو کر مقامی ہپ ہاپ ڈی جے(Hip Hop DJ) گلوکاروں کے ساتھ مل کر موسیقی کی البمز (Music Albums) بنانا شروع کر دیں۔

صہیب ویب کا اسلام سے اولین تعارف موسیقی کی صنعت میں چند مسلمان گلوکاروں سے دوستی سے ہوا۔ مقامی مسلمانوں نے تین سال تک واقفیت کے بعد صہیب ویب نے 1992 میں 20 سال کی عمر میں اسلام قبول کر لیا۔ اور اپنا نام ولیم سے تبدیل کر کے صہیب رکھا۔

قبول اسلام کے بعد امام صہیب ویب نے موسیقی کے پیشے سے توبہ کی اور یونیورسٹی آف سنٹرل اوکلاہاما (University of Central Oklahoma) میں پڑھائی شروع کر دی اور ایجوکیشن میں BA کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ طور پر مختلف مسلم علماء سے اسلام کے متعلق پڑھتے رہے۔ اپنی خداداد ذہانت کی بناء پر کچھ ہی عرصے کے بعد آپ کو ریاست اوکلاہاما کی سب سے بڑی مسجد اور اسلامک سنٹر کے امام کی ذمہ داری دے دی گئی اور ساتھ ساتھ وہاں کے ایک اسلامی سکول(Mercy Islamic School) میں ٹیچنگ کے فرائض بھی شامل تھے۔

چند سال امریکہ میں اسلامی علوم حاصل کرنے اور امامت کے فرائض انجام دینے کے بعد 2004ء میں امام صہیب ویب نے اپنی بیوی (جن کا تعلق ملائیشیا سے ہے) اور بچوں کے ساتھ قاہرہ کا سفر اختیار کیا تاکہ وہاں پر اسلامی فقہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر سکیں۔

امام صہیب ویب کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ جب نوجوانوں کو اسلامی علوم پڑھاتے ہیں تو نوجوانوں کی سطح پر آ کر ان سے بات کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام صہیب

ویب کے لیکچرز میں ٹھیٹھ اسلامی علم کے ساتھ ساتھ ہلکا پھلکا مزاح اور ڈرامائی پن بھی ہوتا ہے جس سے سننے والے بہت محظوظ ہوتے ہیں اور انہیں وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہوتا۔ امام صہیب ویب کے لیکچر سیریز میں امہات المومنینؓ کی زندگیاں، سورۃ الفاتحہ کی تفسیر، اسلامی قانون وفقہ، تزکیہ روح انسانی شامل ہیں جو امریکہ میں ریکارڈ کیے گئے ہیں۔

عبدالرحیم اینتھونی گرین:

(Abdur Raheem Anthony Green)

برطانیہ کے نومسلم اینتھونی گرین کی پیدائش 1964ء میں دارالسلام، تنزانیہ میں ہوئی جب کہ ان کے برطانوی والدین کا تنزانیہ میں قیام تھا۔ باپ گیون گرین (Gavin Green) برطانیہ کی استعماری حکومت کا نمائندہ تھا۔ عبدالرحیم گرین نے 1988ء میں 24 برس کی عمر میں اسلام قبول کیا، ان کی وضع قطع دیکھیں تو ایسا لگتا ہے کہ ہالی وڈ کا کوئی گورا (Blonde) ایکٹر ہے یا پھر عیسائیوں کی مذہبی تصاویر میں جیسا عیسیٰ علیہ السلام کا چہرہ مع بھوری داڑھی کے دکھایا جاتا ہے۔ (معاذ اللہ)

عبدالرحیم گرین کو اسلام سے محبت اپنے والدین کے ساتھ مصر چھٹیاں گزارنے جانے کے دور میں ہوئی۔ پھر یہ محبت اتنی بڑھی کہ آپ نے اسلام قبول کرلیا اور اپنی بقیہ زندگی اسلام کی دعوت وتبلیغ کے لیے وقف کردی۔ آجکل عبدالرحیم گرین برطانیہ کی ایک اسلامی میڈیا کمپنی کے ساتھ کام کررہے ہیں۔ 1997ء کے اکتوبر میں انڈیا کے شہر بنگلور میں اپنے لیکچرز کے دوران شیخ عبدالرحیم گرین نے مسلم رسالے ''اسلامک وائس'' (Nov1997,Vol 11-11) کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ انھوں نے لندن یونیورسٹی سے علم تاریخ کی پڑھائی کے دوران کالج کی پڑھائی ادھوری چھوڑ دی اور ایک جگہ کام شروع کردیا۔ یونیورسٹی چھوڑنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے عبدالرحیم گرین نے بتایا:

''میں برطانیہ کے تعلیمی نظام سے مکمل طور پر بدظن ہوگیا تھا۔ وہ مکمل طور پر یورپ زدہ (Eurocentric) تھا اور دنیا کی تاریخ کو اس طرح پیش کرتا تھا کہ ایسا محسوس ہوتا کہ انسانی

تہذیب نے کمال صرف یورپ میں حاصل کیا۔ میں چونکہ مصر اور دوسرے ممالک میں رہ چکا تھا اور وہاں کے کھنڈرات اور عظیم الشان عمارات (مثلاً مساجد وغیرہ) دیکھ چکا تھا' اس لیے مجھے مغرب کی تاریخ کی تعبیر بالکل جھوٹی اور گمراہ کن نظر آئی۔ میں نے پوری دنیا کے انسانوں کی تاریخ کا پرائیویٹ طور پر مطالعہ شروع کیا اور ساتھ ساتھ مذہبی کتابوں اور فلسفے کا مطالعہ بھی کیا۔ میں تین سال تک بدھ مت کی مذہبی رسوم بجالاتا رہا گو کہ میں نے وہ مذہب باضابطہ قبول پر قبول نہیں کیا۔ پھر قرآن نے مطالعے نے میری توجہ فوراً اپنی طرف مبذول کرائی۔ قرآن نے پیغام میں طلسماتی کشش تھی اور مجھے آہستہ آہستہ پورا یقین ہوگیا کہ یہ ایک الہامی کتاب ہے۔ میرا یہ ایمان ہے کہ صرف اور صرف اللہ نے اپنے فضل سے مجھے ہدایت بخشی۔ میں اپنے آپ کو اس کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔

جب عبدالرحیم گرین سے یہ سوال کیا گیا کہ اسلام کی آخر کیا چیز تھی جس نے ان کے دل کو مسخر کرلیا تو آپ نے جواب دیا: ''میں عیسائیت سے آٹھ سال کی عمر سے دل برداشتہ تھا۔ ایک طرف عیسائی خدا کو لافانی سمجھتے ہیں تو دوسری طرف وہ خدا (یعنی یسوع مسیح) کی مریم سے پیدائش کے قائل ہیں (معاذ اللہ)۔ میں یہ سوچنے لگا کہ پھر تو مریمؑ خدا سے بھی بڑی ہوں گی۔ دوسرے، عیسائیت کا عقیدہ بھی میرے لیے ہضم کرنا نہایت دشوار تھا۔ مجھے اس وقت ہوش آیا جب ایک مصری مسلمان نے مجھ سے میرے عقیدے کے بارے میں سوال و جواب شروع کیے۔ گو کہ میں اپنے عیسائی عقیدے کے متعلق کنفیوز تھا لیکن مڈل کلاس گوروں کی طرح میں نے بھی اپنے عیسائی عقیدے کا دفاع شروع کردیا حتیٰ کہ اس نے مجھ سے بحث میں یہ بات منوالی کہ اگر عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں تو پھر خدا کی صلیب پر موت واقع ہوگئی۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میں ایک بند گلی میں پہنچ گیا ہوں۔ اب میں سوچتا ہوں کہ میں ایک ایسے عقیدے پر ایمان رکھتا تھا جو اتنا ہی عجیب ہے جتنا دو جمع دو برابر پانچ سمجھنا۔''

(اسلامک وائس، نومبر 1997ء)

جب عبدالرحیم گرین سے مسلمانوں کے طرز زندگی اور مغربی طرز زندگی کے فرق کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے کہا: ''مسلمان غربت اور شدید مصائب کی زندگی گزارتے ہیں لیکن

پھر بھی خوش وخرم ہوتے ہیں۔وہ اللہ پر توکل کرتے ہیں اور باہر کی پریشانیاں، اپنے گھر نہیں لے کر جاتے۔نماز ان کی اس معاملے میں مدد کرتی ہے اور وہ اپنی پریشانیاں خدا کے سامنے بیان کرتے ہیں۔میں نے اسلامی عبادات میں عاجزی اور محبت کو پایا ہے۔اس کے برعکس مغرب میں لوگ اندر سے کھوکھلے اور مادہ پرست ہیں۔وہ خوش ہونے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان کی خوشی سطحی ہوتی ہے۔عیسائیوں کی مذہبی عبادات میں گانا بجانا، رقص، تالیاں پیٹنا، وغیرہ شامل ہیں لیکن اس میں نہ تو عاجزی ہے اور نہ ہی خدا سے خصوصی تعلق۔"(اسلامک وائس، نومبر 1997ء)

ڈاکٹر عمر فاروق عبداللہ:

انہوں نے امریکہ کے ایک عیسائی پروٹسٹنٹ گھرانے میں آنکھ کھولی۔والدین نے وائی مین لینڈ گراف (Wymenn Landgraf) نام رکھا۔1970ء میں نیویارک کی کورنیل یونیورسٹی میں انگلش لٹریچر کی تعلیم حاصل کرنے کے دوران میں اسلام قبول کیا۔پھر شکاگو یونیورسٹی سے اسلامک لا میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔سپین اور بعدازاں سعودی عرب کی شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی میں 14 برس عربی کی تعلیم دیتے رہے اور اس دوران مزید اسلامی علماء سے علم دین حاصل کیا۔2000ء سے شکاگو کی النووی فاؤنڈیشن کے چیئرمین کی حیثیت میں اسلام کی نشر واشاعت میں مصروف ہیں۔

ڈاکٹر خالد یحیٰی بلینکنشپ (Dr. Khalid Blankinship):

یحیٰی بلینکنشپ کی پیدائش 1943ء میں واشنگٹن میں ہوئی۔1973ء میں علم تاریخ میں بی اے کرنے کے دور میں اسلام قبول کیا اور پھر قاہرہ یونیورسٹی سے علم تاریخ میں ایم اے کیا اور امریکہ واپس آ کر واشنگٹن یونیورسٹی سے "اسلامی تاریخ" کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری

حاصل کی۔ ان کی کوششوں سے ان کے والد نے اپنے فوت ہونے سے صرف تین روز پہلے اسلام قبول کیا۔ ڈاکٹر خالد نے تاریخ طبری کو انگلش میں ترجمہ کرنے کے پروجیکٹ میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ آج کل وہ امریکہ کی ریاست پینسلوینیا کی ٹمپل یونیورسٹی کے مذہب کے ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ ہیں، ان کے ہاتھ پر 100 سے زیادہ لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے۔

الحاج میلکم ایکس شہید (Malcolm X):

امریکہ کی تاریخ سیاہ فاموں کے عظیم لیڈر میلکم ایکس (Malcolm X) کو کبھی نہیں بھلا سکتی۔ 21 فروری 1965ء کو امریکہ کے سیاہ فام مسلمانوں کے لیڈر میلکم ایکس کو اس وقت گولی مار کر شہید کر دیا گیا جب وہ نیویارک کے شہر ہارلم (Harlem) میں عوام کے ایک مجمع کو خطاب کر رہے تھے۔ اس وقت ان کی عمر 39 سال تھی۔ اپنی مختصر سی زندگی میں میلکم ایکس چوری چکاری اور منشیات فروشی کی دنیا سے نکل کر امریکہ کے سیاہ فاموں (Black Americans) کے سب سے طاقتور، قادر الکلام اور شعلہ بیان مقرر بن گئے۔

میلکم ایکس کی پیدائش امریکی ریاست الاباما میں ہوئی۔ آپ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے اور ساتویں نمبر پر تھے۔ میلکم کے والد چرچ کے پادری تھے۔

ابھی میلکم ایام طفولیت ہی میں تھے جب سفید فام نسل پرستوں (White supremacists) نے میلکم کے والد کو ٹرین کی پٹڑی کے ساتھ باندھ کر اوپر سے ٹرین گزار دی۔ ان کے والد آدھے جسم کے ساتھ آٹھ گھنٹے کی تکلیف کے بعد وفات پا گئے۔ میلکم کی والدہ کے لیے خاوند کی موت کا صدمہ ناقابل برداشت تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ریاست نے میلکم کی ماں کو پاگل قرار دیکر پاگل خانے داخل کر دیا اور میلکم اور اسکے بہن بھائیوں کو ریاستی تحویل میں

لے لیا۔ میلکم ایکس نے حکومتی سکول میں جانا شروع کر دیا۔

میلکم ایکس اپنی پیدائشی ذہانت کی وجہ سے اپنی پوری کلاس میں ہمیشہ فرسٹ آتا تھا۔ اس کلاس میں گورے اور کالے دونوں نسل کے بچے پڑھتے تھے۔ جب وہ آٹھویں کلاس میں پہنچا تو میلکم ایکس کے گورے ٹیچر نے ایک لومڑی کی طرح انتہائی محبت سے مشورہ دیا کہ وہ مزید پڑھائی نہ کرے۔ وہ کالا ہے اور کالوں کے لیے اس وقت کے امریکی معاشرے میں ترقی کے امکانات بالکل نہیں۔ سفید فام ٹیچر نے میلکم کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ بڑھئی بن جائے۔ جب میلکم نے کہا کہ وہ بڑا ہو کر وکیل بننا چاہتا ہے تو میلکم کے ٹیچر نے اسے کہا کہ بڑھئی بننے میں کیا مذاقہ ہے۔ آخر عیسیٰؑ بھی تو بڑھئی تھے۔ (عیسائیوں کی تاریخی روایات کے مطابق) اپنے گورے استاد کے منافقانہ رویئے سے میلکم ایکس اس قدر رنجیدہ ہوا کہ اس نے آٹھویں کے بعد اسکول چھوڑ دیا اور آوارہ گردی شروع کر دی۔

پھر ایک جگہ بیرے کی جاب شروع کر دی۔ پھر میلکم اپنی نوجوانی کی عمر میں نیویارک کے شہر ہارلم میں چلا گیا جو کہ امریکہ کے کالوں کا گڑھ ہے۔ وہاں پر میلکم نے منشیات کے سوداگروں کے ساتھ مل کر منشیات فروش شروع کر دی۔ وہیں پر میلکم کی دوستی ایک گوری لڑکی سے ہوگئی۔ غرض کہ ہارلم میں میلکم ایکس دن بدن گناہوں کی دلدل میں پھنستا چلا گیا۔ وہیں پر میلکم کی دوستی سیاہ فام ہم عمر شارٹی (Shorty) سے ہوگئی پھر ایک دن میلکم، اسکی گوری گرل فرینڈ اور شارٹی نے کسی جگہ چوری کی واردات کی اور وہ پکڑے گئے۔ چوری کی سزا تو تھوڑی ہونی چاہیے تھی لیکن میلکم ایکس کو بقول سفید فام جج نے اس وجہ سے کہ میللکم ایکس نے سیاہ فام ہوتے ہوئے ایک سفید فام لڑکی سے تعلقات رکھے ہوئے ہیں۔ میلکم ایکس کو انتہائی کڑی سزا دی جو کہ آٹھ سال قید تھی۔

جیل میں میلکم ایکس کی ملاقات جھوٹے مدعیٔ نبوت علیجاہ محمد کے ایک بڑے پیروکار

سے ہوئی۔ اس نے میلکم کی غیرت کو جھنجھوڑا اور بتایا کہ یہ انگریزی کی ڈکشنری (Webster's English Dictionary) ایک سفید فام شخص کی تصنیف ہے۔ اس ڈکشنری میں جب تم Black لفظ کے معنی دیکھو گے تو تمام منفی صفات اس کی تشریح میں لکھی ہونگی جبکہ اگر تم White لفظ کے معنی دیکھو گے تو تمام اچھی صفات اس لفظ کے معنوں میں لکھی ہونگی۔ اس لیے تم اس ڈکشنری کو حرف بحرف زبانی یاد کرلو اور گورے شخص کو اسی کے ہتھیار سے مارو۔ میلکم نے اس سیاہ فام قیدی کی نصیحت کو اپنے پلے باندھ لیا۔ اور ڈکشنری کو زبانی یاد کرنا شروع کر دیا۔ اپنے اس تجربے کے متعلق میلکم ایکس اپنی خودنوشت سوانح عمری The Autobiography of Malcolm X میں رقمطراز ہے:

''میں کبھی بھی بے عمل نہیں رہا۔ جب بھی میں نے کسی چیز کے متعلق شدت سے کچھ محسوس کیا تو میں نے ضرور اسکے لیے کچھ کیا۔ اس لیے میں نے جلد ہی ان لوگوں کو خطوط لکھنے شروع کیے جنہیں میں منشیات فروشی اور دلالی کی دنیا میں جانتا تھا۔ اس وقت مجھے احساس ہونا شروع ہوا کہ مجھے تعلیم بڑھانے کی شدید ضرورت ہے۔ میں صرف گلیوں بازاروں کی زبان سے واقف تھا جبکہ خطوط میں ایسی زبان استعمال نہیں ہوتی۔ اس لیے مجھے اپنا مافی الضمیر بیان میں بہت دقت پیش آتی ......

آپ لوگ آج جب مجھے بالمشافہ بات کرتے سنتے ہیں، یا ٹی وی پر یا میری کوئی تحریر پڑھتے ہیں تو یہ سوچتے ہیں کہ میں صرف آٹھ جماعتیں نہیں پڑھا ہوا بلکہ یونیورسٹی تک پڑھا ہوا ہوں۔ آپ کے اس احساس کی وجہ صرف اور صرف میری جیل کے زمانے کی پڑھائی ہے...

یہ اس دور کی بات ہے جب مجھے نارفو لک جیل (Narfolk prison) میں منتقل کیا گیا اور اس دور میں میں جو کتاب بھی اٹھاتا تھا، اس کے شروع میں چند مشکل الفاظ دیکھ کر میں اس کتاب سے بھاگ جاتا تھا۔ میں نے سوچا کہ بہترین چیز یہ ہے کہ میں ایک انگلش ڈکشنری

لوں اور اس میں سے الفاظ سیکھوں اور پڑھوں۔ میں نے سوچا کہ ساتھ ساتھ میں اپنی قلمی دوستی کا دائرہ بھی بڑھاؤں لیکن مجھے یہ جان کر افسوس ہوا کہ میں ایک سطر بھی درست انگلش کے ساتھ نہیں لکھ سکتا۔ ان وجوہات کی بنا پر میں نے نارفولک جیل کے سکول سے ایک ڈکشنری، چند کاپیاں اور چند پنسلیں درخواست کر کے منگوائیں۔

دو دن میں صرف ڈکشنری کے صفحات کو بے یقینی کی کیفیت میں الٹتا پلٹتا رہا۔ مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ اتنے الفاظ اس دنیا میں موجود ہیں۔ مجھے یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کونسے الفاظ زیادہ اہم ہیں جو مجھے سیکھنا چاہئیں۔ بالآخر میں نے اپنی ٹوٹی پھوٹی لکھائی کے ساتھ آہستہ آہستہ نہایت تکلیف کے ساتھ ڈکشنری کا پہلا صفحہ اپنی کاپی پر تحریر کیا۔ میرے خیال میں اس کام میں میرا پورا دن صرف ہوا۔ پھر اونچی آواز میں میں نے اپنے آپ کو وہ سب کچھ پڑھ کر سنایا جو میں نے کاپی پر لکھا تھا۔ میں نے اپنی ہی لکھائی کو بار بار اونچی آواز سے یاد کیا۔

میں اگلی صبح ان الفاظ کے متعلق سوچتے ہوئے اٹھا...... مجھے اس احساس پر بہت فخر تھا کہ نہ صرف میں نے ایک ہی بار میں اتنا کچھ لکھا بلکہ میں نے ایسے الفاظ لکھے جن کے متعلق مجھے یہ علم ہی نہ تھا کہ وہ اس دنیا میں موجود ہیں۔ مزید برآں کچھ محنت کے ساتھ میں نے ان الفاظ کے معانی بھی یاد کر لیے۔ میں نے ان الفاظ کی دھرائی کی جن کے معانی مجھے یاد نہیں ہوئے تھے۔ میں اتنا مسحور تھا کہ میں نے ڈکشنری کا دوسرا صفحہ کاپی کیا۔ اور اس کی دھرائی کرتے ہوئے مجھے ویسا ہی احساس دوبارہ ہوا۔ ڈکشنری کے ہر اگلے صفحے کو یاد کرتے ہوئے مجھے تاریخ میں مختلف لوگوں اور جگہوں اور واقعات کا علم بھی ہوا۔ دراصل ڈکشنری ایک طرح کی چھوٹی انسائیکلو پیڈیا ہوتی ہے۔ بالآخر ڈکشنری کے "A" سے شروع ہونے والے حروف سے میری کاپی مکمل بھر گئی اور میں "B" سے شروع ہونے والے حروف کو یاد کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس طریقے سے میں نے کاپی کرنے کی جو ابتداء کی تھی بالآخر میں نے پوری ڈکشنری کے الفاظ کاپی میں لکھے اور زبانی یاد

کیے۔ آہستہ آہستہ جب میری لکھنے کی رفتار بڑھی تو میری الفاظ کاپی کرنے اور یاد کرنے کی رفتار بھی تیز ہوگئی۔ میں نے جو ڈکشنری کے الفاظ کاپیوں میں لکھے اور میں نے جو خطوط جیل میں لکھے، جب تک میں وہاں رہا میرے خیال میں اس تمام عرصے میں میں نے دس لاکھ (ایک ملین) الفاظ اپنے قلم سے لکھے۔

جب میرے الفاظ کے معانی کا علم وسیع ہوا، یہ لازمی امر تھا کہ میں جو کتاب بھی اٹھاتا تھا اس کی سمجھ مجھے آتی تھی۔ میں آپ کو ایک بات بتاتا چلوں، اس وقت سے لیکر میری جیل سے رہائی تک کے عرصے کے دوران میرے پاس جو بھی فراغت کے لمحات ہوتے تھے۔ ان میں اگر میں لائبریری میں نہیں پڑھ رہا ہوتا تھا تو پھر اپنے بستر پر بیٹھا پڑھ رہا ہوتا تھا۔ مجھے کتابوں سے باہر نکالنے کے لیے آپ کو زبردستی ہی کرنی پڑتی... اور کتابوں کے مطالعے کے دوران مہینے گزر گئے اور مجھے اس بات کا احساس تک نہیں ہوا کہ میں جیل میں قید ہوں۔ بلکہ درحقیقت اس سے پہلے میں اتنا آزاد کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔

(The Autobiography of Malcolm X) (مطبوعہ نیویارک 1973ء)

1958ء میں میلکم ایکس جیل سے رہا ہوا اور نیشن آف اسلام میں شمولیت اختیار کی۔ جس وقت میلکم ایکس نے نیشن آف اسلام میں شمولیت اختیار کی، اس وقت اس تنظیم کے کل 400 رکن تھے۔ میلکم ایکس کی شعلہ بیاں تقریروں سے اس تنظیم کی رکنیت کئی ہزاروں میں پہنچ گئی۔ پوری ڈکشنری زبانی یاد کرنے اور جیل میں ہر موضوع پر عمیق مطالعہ کرنے کے بعد جب میلکم ایکس تقریر کرتا تھا تو ایسا لگتا تھا کہ الفاظ اس کے سامنے صف باندھ کر کھڑے ہیں۔ میلکم کی تقریر میں الفاظ کے بہاؤ اور طاقت کے سامنے ہزاروں کے مجمعے دم بخود ہو جاتے تھے۔

جھوٹے مدعی نبوت علیجاہ محمد نے میلکم کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر اسے ہارلم میں نیشن آف

اسلام کی سب سے بڑی عبادت گاہ (ٹمپل) (Harlem's Temple No. 7) کا سربراہ بنا دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے میلکم ایکس کو اصل اسلام کی طرف راہنمائی کرنی تھی اور میلکم کے اس تنظیم سے نکلنے کی وجہ سے ہزاروں سیاہ فاموں کو اصل اسلام کی طرف لانا تھا۔ جن میں محمد علی باکسر اور وارث دین محمد بھی شامل تھے۔ محمد علی باکسر بھی عیسائیت سے پہلے نیشن آف اسلام کی طرف آئے تھے۔ ان کے میلکم ایکس سے بہت اچھے روابط تھے۔ جب میلکم ایکس نے اصل اسلام قبول کیا تو کچھ عرصہ کے بعد محمد علی کلے نے بھی اصل اسلام مذہب قبول کر لیا۔

جہاں تک وارث دین محمد کا تعلق ہے تو وہ جھوٹے مدعی نبوت کے سگے بیٹے تھے۔ امام وارث دین محمد نے بھی میلکم ایکس کی شخصیت کے اثر سے بالآخر اپنے باپ کے جھوٹے مذہب (Nation of Islam) کو چھوڑ کر صحیح مذہب اسلام قبول کر لیا۔ جس دن امام وارث دین محمد نے نیشن آف اسلام سے علیحدگی اختیار کی اس دن ان کے ساتھ چار ہزار سیاہ فاموں نے نیشن آف اسلام سے نکل کر صحیح اسلام قبول کیا۔ اس کے علاوہ امریکہ کی تاریخ میں میلکم ایکس شہید کی سوانح عمری پڑھ کر بہت سے کالے اور گورے امریکیوں نے اسلام قبول کیا۔

غرض کہ ۱۹۶۳ء میں جب میلکم کو علیجاہ محمد کی بدکرداری کا علم ہوا تو اس جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ میلکم کی بڑی بہن اسلام قبول کر چکی تھی۔ اس نے میلکم کو پیسے دیئے اور حج پر جانے کا مشورہ دیا۔ جب میلکم ایکس حج پر گیا تو اس کی زندگی میں انقلاب آ گیا۔ اس نے ۱۹۶۴ء فیصل سے ملاقات کی اور اسلام قبول کیا۔ حج کے بعد سعودی عرب سے اُس نے امریکہ کے شاگردوں کو ایک خط لکھا جو اس نے اپنی کتاب (The Auto Biography of Malcolm X) (مطبوعہ نیویارک: ۱۹۷۳ء) میں شامل کیا ہے۔ اس خط میں میلکم ایکس (الحاج ملک شہباز) لکھتے ہیں:

''یہاں پر پوری دنیا سے لاکھوں حجاج آئے تھے۔ان میں نیلی آنکھوں والے سفید فام (Blue-eyed blondes) سے لے کر افریقہ کا سیاہ فام بھی شامل تھے۔لیکن وہ سب یک جہتی اور اخوت کی روح کے ساتھ ایک جیسے مناسک ادا کر رہے تھے جو کہ میرے تجربے کے لحاظ سے امریکہ میں سفید فام اور سیاہ فام باشندوں میں کبھی نہیں آسکتی''۔

''امریکہ کو اسلام سمجھنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہی واحد مذہب ہے جو معاشرے سے نسل پرستی کے مسئلے کو مٹا دیتا ہے۔تم لوگوں کو یہ باتیں پڑھ کر شاید انتہائی حیرت ہوگی لیکن اس حج میں جو کچھ میں نے دیکھا اور محسوس کیا اس نے مجھے مجبور کیا ہے کہ میں اپنے سابقہ نظریات پر نظر ثانی کروں ...... پچھلے گیارہ دنوں میں ان لوگوں کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھایا اور ایک ہی گلاس میں پانی پیا جن کی آنکھیں اتنی نیلی تھیں کہ جس کا اندازہ نہیں اور جن کے بال اتنے سنہری تھے کہ جس کی انتہا نہیں اور جن کی جلد انتہائی سفید تھی لیکن ان گورے مسلمانوں کے برتاؤ میں میں نے اتنا ہی خلوص دیکھا جتنا کہ افریقہ کے سیاہ فام مسلمانوں کے برتاؤ میں۔ہم یہاں پر حقیقتاً بھائی بھائی ہیں کیونکہ ایک خدا پر ایمان کی وجہ سے ان کے ذہنوں سے نسلی برتری کا تصور بالکل نکل گیا ہے''۔

شیخ عبدالحکیم مراد (Abdul Hakim Murad)

سابقہ نام ٹموتھی ونٹر (Timothy Winter) تھا اور تعلق برطانیہ سے ہے۔ 1960ء میں لندن میں پیدائش ہوئی۔1976ء میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور پھر کیمبرج یونیورسٹی سے عربی میں ایم اے کیا۔پھر مصر کی جامع الازھر سے تحصیل علم کی اور بعد ازاں سعودی عرب میں ایک ٹرانسلیشن کمپنی کے ساتھ منسلک رہنے کے علاوہ یمن کے علماء سے اسلامی علوم کی تحصیل کی۔آج کل انگلینڈ میں درس و تدریس کے کام میں مشغول ہیں۔امام بیہقی کی ''شعب الایمان'' کا انگلش ترجمہ انہوں نے ہی کیا ہے۔بہت سے رسائل و کتب

کے مصنف ہیں۔

امام حمزہ یوسف:

امام حمزہ یوسف کا شمار مغربی دنیا کے چوٹی کے چند مسلمان علماء میں ہوتا ہے۔ 1960ء کی دھائی کے اوائل میں امریکہ میں پیدا ہوئے۔ والدین انتہائی پڑھے لکھے تھے اور عیسائیوں کے فرقے گریک آرتھوڈکس سے تعلق تھا۔ امریکہ کے اعلیٰ جیسوئٹ (Jesuits) سکولوں میں تعلیم پائی، اپنے لڑکپن میں گاڑی کے شدید حادثے کا شکار ہوئے جس کی بنا پر انہوں نے مرنے کے بعد انسان کے انجام پر غور کرنا شروع کیا اور بالآخر 1977ء میں اسلام قبول کیا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ جب وہ ایک مرتبہ ایک پرانی کتب کی دکان میں گئے تو وہاں پر قرآن کا ایک انگریزی ترجمہ پڑا ہوا تھا۔ اور وہ ترجمہ تھا بھی ایک انتہائی متعصب عیسائی مستشرق کا۔ حمزہ یوسف نے قرآن کی کاپی اٹھائی اور پہلا کام یہ کیا کہ سورتوں کی فہرست میں سے حضرت مریم علیہا السلام کا نام تلاش کیا کہ دیکھیں قرآن حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں کیا کہتا ہے۔

جب سورہ مریم کو پڑھا تو گویا دل پر سے قفل کھل گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ چند ہی ماہ کے بعد انہوں نے عرب ممالک کی طرف رخت سفر باندھا اور مشرق وسطیٰ میں تقریباً بارہ سال کی دشت نوردی کا آغاز کیا۔ پہلے متحدہ عرب امارات گئے جہاں پر بچوں کے مدرسے میں جا کر اسلامی حاصل کیئے اور اس کے عوض میں مسجد کے منارے پر چڑھ کر پانچ وقت کی اذان دینے کی ذمہ داری سنبھالی۔ یہاں پر علماء سے دن رات عربی زبان اور اسلامی علوم سیکھے۔ وہاں سے سعودی عرب اور مصر عازم سفر ہوئے تا کہ علم کی پیاس بجھا سکیں۔ وہاں سے تیونس، لیبیا اور مراکش میں تحصیل علم کیا۔ اس کے بعد ماریطانیہ کے صحراؤں میں جا کر وہاں کے علماء سے علم حاصل کیا، جن میں شیخ عبداللہ بن بیعہ، سیدی سالک (جو حضرت جعفر طیارؓ کی اولاد سے ہیں) اور شیخ مرابط الحاج شامل ہیں۔ بعدازاں امریکہ واپس آ کر شیخ حمزہ یوسف نے کیلیفورنیا کی سین ہوزے یونیورسٹی

سے دنیاوی علوم کی تکمیل کی جن میں نرسنگ کی ڈگری بھی شامل ہے۔اس کے علاوہ مذہبی علوم میں بھی ایک ڈگری حاصل کی۔ 1996ء میں کیلیفورنیا میں زیتونیا انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد رکھی جس کے ڈائریکٹر اور CEO کی حیثیت سے طلباء کو کلاسیکل اسلامی انداز میں تعلیم دے رہے ہیں۔ان کے ہاتھ پر بے شمار امریکیوں نے اسلام قبول کیا ہے اور کر رہے ہیں اور کئی پیدائشی مسلمانوں نے راہنمائی اور فیض حاصل کیا ہے۔

امام حمزہ یوسف نے بتایا کہ جب انہوں نے قبول اسلام سے قبل قرآن کا ترجمہ اٹھایا اور اس کی سورتوں کی فہرست پر نظر ڈالی تو وہ حیران ہوئے کہ مسلمان بھی مریمؑ کو مانتے ہیں۔ پھر انہوں نے سورہ مریم پڑھنی شروع کی اور دیکھا کہ قرآن عیسیٰؑ اور مریمؑ اور اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو فرماتا ہے۔''ہوجا'' اور وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔قرآن میں یہ پڑھ کر ان کے ذہن کے قفل کھل گئے کیونکہ امام حمزہ کے مطابق عیسائیت میں انہیں سب سے زیادہ ذہنی خلجان ''خدا کے بیٹے'' کے تصور کے متعلق ہوتا تھا۔ان کے مطابق انہیں جتنے بھی عیسائی نومسلم ملے انہیں عیسائیت کے عقیدہ تثلیث (تین خدا) کا نظریہ سب سے زیادہ پریشان کرتا تھا۔

امریکی مصنف سٹیون باربوزا (Steven Barboza) نے امریکہ میں اسلام اور نومسلموں کے بارے میں ایک کتاب لکھی جس کا عنوان ہے American Jihad: Islam After Malcolm X (مطبوعہ نیویارک، 1993ء)۔ اس کتاب میں منصف نے ایک باب میں امام حمزہ یوسف کے متعلق کچھ باتیں بیان کی ہیں اور اس باب کا عنوان رکھا ہے:

''Nomad - Hamza Hanson یعنی خانہ بدوش......حمزہ یوسف ہین سن''

یہ حقیقت ہے کہ امام حمزہ یوسف نے علم کی تحصیل میں ایک خانہ بدوش کی طرح مسلمان ممالک کے دور دراز علاقوں کے سفر کیے۔اپنے سفر میں وہ مراکش سے ہوتے ہوئے الجزائر بھی گئے جہاں ایک مسجد میں تین ماہ تک علم حاصل کیا لیکن چونکہ الجزائر کی حکومت ''بنیاد پرستوں'' سے

بہت خوف زدہ تھی اس لیے امام یوسف کو وہاں سے نکلنے کا حکم دے دیا گیا۔ وہاں سے وہ ٹرین کے ذریعے سے تونس چلے گئے۔ پھر وہاں سے حمزہ یوسف نے ماریطانیہ کے صحراؤں میں علم کی تحصیل کے لیے رخت سفر باندھا۔ سٹیون باربوزا کو ایک انٹرویو میں امام حمزہ یوسف نے بتایا:

”ماریطانیہ اور مغربی افریقہ کے لوگوں میں آج بھی اپنے اسلامی کلچر، اپنی خالص عربی زبان اور مذہب کے بارے میں فخر پایا جاتا ہے۔ جبکہ اکثر عربوں میں اب یہ فخر نہیں پایا جاتا کیونکہ وہ اب شکست خوردہ لوگ بن چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے مغربی آقاؤں کی ثقافت اپنالی ہے۔

ماریطانیہ کے لوگ بہت روحانی لوگ ہیں۔ ایک مرتبہ میں صحراؤں میں اونٹ پر سفر کر رہا تھا۔ میں اپنے راہنما (گائیڈ) کے ساتھ ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں جا رہا تھا۔ ہم بدوؤں کے چند خیموں کے قریب پہنچے۔ میں جس شخص کے ساتھ اونٹ پر سفر کر رہا تھا اس نے مجھے کہا۔ چلو ان لوگوں کے ہاں پڑاؤ کرتے ہیں تا کہ ہم کچھ کھا پی لیں اور کچھ دیر آرام کریں۔

چنانچہ ہم نے وہاں کا رخ کیا اور وہ عین دوپہر کا وقت تھا جب ہم وہاں پہنچے تو تمام لوگ اپنے خیموں سے باہر آ گئے۔ اس وقت میں نے نیلے رنگ کی عبا اور کالے رنگ کی پگڑی پہنی ہوئی تھی۔ ہم وہاں بیٹھ گئے۔ وہ لوگ ہمارے لیے ایک بڑے پیالے میں خالص دودھ لے کر آئے اور ایک انتہائی بوڑھی خاتون آئیں اور جب انہوں نے مجھے دیکھا تو بے اختیار کہا: لا الہ الا اللہ۔

پھر ان خاتون نے ایک دوسرے شخص کو بتایا کہ ایک رات پہلے ان خاتون نے خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت سفید فام شخص جس کے سر پر سیاہ رنگ کا عمامہ ہوگا اور اونٹ پر سوار ان لوگوں کے پاس آئے گا اور ان کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھائے گا۔ ان بزرگ خاتون نے اس بدو کو تلقین کی کہ وہ میری تکریم کریں کیونکہ میں بہت دور سے آیا ہوں۔“

(بحوالہ: ”امریکن جہاد“ سٹیون باربوزا)

یوسف اسلام (سابقہ Cat Stevens)

مشہور و معروف برطانوی پاپ سنگر کیٹ سٹیونز 1948ء میں پیدا ہوئے۔ لندن میں

پلے بڑھے۔ لندن کے آرٹ کالج میں تعلیم کے دوران موسیقی کے کیریئر کا آغاز کیا۔ 1960ء اور 1970ء کے اوائل کیٹ سٹیون کی شہرت کی بلندی کا دور تھا' جب ان کے گانوں کے 40 ملین البم فروخت ہوئے۔ اور انتہائی نوجوانی اور شہرت کی وجہ سے وہ عیاشی میں پڑ گئے اور بالآخر ٹی بی کی وجہ سے ہسپتال داخل ہوئے۔ جب صحت یاب ہوئے تو اب گانے زیادہ تر روحانیت کے متعلق گانے شروع کیے لیکن موسیقی کے پیشے کو نہ چھوڑا۔

پھر ایک مرتبہ لاس انجلز (Los Angeles) کے علاقے میں تیرا کی کر رہے تھے کہ اچانک انہوں نے محسوس کیا کہ وہ پانی کی موجوں کے آگے بے بس ہیں اور ڈوب رہے ہیں۔ اس وقت ان کے بقول انہیں اندازہ ہوا کہ اس وقت خدا کی مدد کے علاوہ کوئی مدد نہیں ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی:

''اے اللہ اگر تو نے مجھے بچا لیا تو میں تمام زندگی تیرے لیے کام کروں گا۔''

اور پھر اگلے ہی لمحے ایک موج آئی اور اس نے انہیں اٹھا کر پانی سے باہر پھینک دیا۔ اس وقت کیٹ سٹیون نے کہا: مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ میں محفوظ ہوں۔ یہی حقیقت کا لمحہ تھا مجھے یقین ہو گیا تھا کہ خدا موجود ہے اس لمحے میں نے اللہ سے اپنا تعلق دوبارہ مضبوط کیا۔

اگلے ہی سال ان کے بھائی نے انہیں قرآن کا نسخہ بطور تحفہ دیا جسے پڑھ کر 1977ء میں کیٹ سٹیون نے اسلام قبول کر لیا اور اپنا اسلامی نام یوسف اسلام رکھا۔ چھ ماہ کے بعد انہوں نے موسیقی کے بزنس کو الوداع کہا اور اسلامی زندگی کی ابتداء کی۔ آج مغرب کے نومسلم علماء میں یوسف اسلام ایک ممتاز نام ہیں۔ برطانیہ میں اسلامی اسکولوں کے قیام بالخصوص لڑکیوں کے اسلامی سکولوں کو قائم کرنے میں یوسف اسلام کی کوششوں کا بہت کچھ دخل ہے۔ ان کی قائم کی گئی خیراتی فاؤنڈیشن "Small Kindness" بوسنیا، کوسوو، عراق اور دنیا کے دیگر اسلامی ممالک میں یتیموں اور مسکینوں کو مدد فراہم کرتی ہے۔

امام زید شاکر

ان کا شمار امریکہ کے مشہور تین نومسلم علماء میں ہوتا ہے۔ 1977ء میں کیلفورنیا میں اسلام قبول کیا، پھر نیوجرسی کی ڈنگرز یونیورسٹی سے پولیٹکل سائنس میں ایم اے کیا اور بعدازاں امریکی ریاست کنکٹی کٹ کی مسجد الاسلام کی امامت سنبھالی۔ ان کے ہاتھ پر بہت سے سیاہ فام امریکیوں نے اسلام قبول کیا۔ مزید اسلامی علوم کی تحصیل کے لیے 1994ء میں شام چلے گئے اور 2001ء میں شام کی ابوذر یونیورسٹی سے گریجویشن کی۔ 2003ء میں کیلیفورنیا میں امام حمزہ یوسف کے زیتونیا انسٹی ٹیوٹ میں اسلامی علوم کی تدریس کی ذمہ داری سنبھالی جواب تک بطریق احسن انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر گیری ملر (عبدالاحد عمر) Dr. Gary Miller

ڈاکٹر گیری ملر کا تعلق کینیڈا سے ہے۔ عیسائی مذہب کے پادری اور عالم ہونے کے علاوہ بہت بڑے حساب دان بھی ہیں۔ انہوں نے بائبل کا بہت ڈوب کر مطالعہ کیا لیکن اس میں بہت سی تحریفات محسوس کیں۔ 1978ء میں قرآن کا مطالعہ بھی اسی خیال سے شروع کیا کہ شاید اس میں بھی بائبل کی طرح تضادات ہوں گے لیکن انہیں دیکھ کر حیرانگی ہوئی کہ قرآن کا پیغام بھی دراصل وہی ہے جو بائبل کا اصل پیغام ہے لیکن قرآن میں کسی قسم کا کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔ اسی وجہ سے انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ آج کل وہ مغربی دنیا میں اسلام کی اشاعت میں مصروف ہیں۔

امینہ اسلمی (Sister Aminah Assilmi)

امینہ اسلمی کا تعلق عیسائیوں کے بیپٹسٹ فرقے تھا۔ امینہ غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک تھیں جنھوں نے سکول اور کالج میں اعلیٰ ترین اعزازات حاصل کیے۔ آپ تحریک نسواں کی

پر جوش داعی اور صحافی بھی تھیں۔ کالج میں کلاسز لینے کے دوران مسلمان عرب طلباء سے واسطہ پڑا۔ عربوں اور اسلام سے شدید نفرت کرتی تھیں۔ بالآخر اپنے خاوند کی نصیحت پر ان عربوں کو ''جہنم کی آگ'' سے بچانے کے لیے ان پر عیسائیت کی تبلیغ شروع کی۔ پھر سوچا کہ کیوں نہ انہی کی مذہبی کتاب سے انہیں عیسائی بننے کی ترغیب دی جائے۔

کلاس میں ایک عرب طالب علم نے انہیں ان کی فرمائش پر قرآن دے دیا۔ تقریباً ڈیڑھ سال قرآن اور دیگر اسلامی کتابوں کا مطالعہ کرتی رہیں اور غیر محسوس طور پر حق کی طرف کھنچتی چلی گئیں۔ بالآخر 1977ء میں اسلام قبول کرلیا۔ عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کی پاداش میں خاوند نے گھر سے نکال دیا اور عدالت نے دونوں بچے بھی خاوند کی تحویل میں دے دیئے۔ امینہ اسلمی کی بہن نے انہیں پاگل خانے میں داخل کروانے کی بھرپور کوشش کی۔ والدہ نے بات کرنی چھوڑ دی۔ والد نے جو کہ انتہائی تحمل مزاج ہوتے تھے، پستول اٹھائی اور کہنے لگے کہ میری بیٹی کے عیسائیت کو چھوڑ کر ہمیشہ جہنم میں جلنے سے بہتر ہے کہ میں اسے قتل ہی کر ڈالوں۔

ان تمام محرومیوں اور آزمائشوں کے باوجود امینہ اسلمی پہاڑ کی طرح اپنے موقف پر ڈٹی رہیں اور اللہ سے مدد مانگتی رہیں۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا جو اس نے ان لوگوں سے کیا ہے جو اپنی زندگیاں اسلام کی تبلیغ کے لیے وقف کرتے ہیں:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُ وا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (سورہ محمد)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے امینہ اسلمی کو نہ صرف مسلمانوں میں بحیثیت عالمہ اسلام کے مقبولیت بخشی بلکہ ان کی والدہ اور بہن نے بھی اسلام قبول کیا۔ پھر ان کے والد نے بھی اسلام قبول کر کے حضرت عمرؓ بن خطاب کے قبول اسلام کے واقعے کی یاد تازہ کردی۔ جب بیٹا اکیس سال کا ہوا تو اس نے بھی ماں سے رابطہ کیا اور اسلام قبول کرلیا۔ امینہ اسلمی کے سابقہ شوہر نے بھی امینہ اسلمی سے رابطہ کر کے معافی مانگی، اسلام قبول کیا اور بیٹی امینہ اسلمی کے حوالے کر کے کہا کہ میں چاہتا ہوں میری بیٹی

تمہاری جیسی عورت بنے۔ آج کل امینہ اسلمی امریکہ میں اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔

محترمہ جینٹ حبل اللہ Jeanette L'amour Hablullah:

ڈاکٹر جینٹ حبل اللہ امریکہ کی ایک انتہائی تعلیم یافتہ نومسلم خاتون ہیں، جن کا پیدائشی مذہب کیتھولک عیسائیت تھا۔ جوانی کے دور میں اسلام سے روشناس ہوئیں تو اسلام قبول کرلیا۔ ڈاکٹر جینٹ نے ہسپانوی (Spanish) اور فرانسیسی زبانوں میں BA کی ڈگری لی اور ایجوکیشن اور نفسیات میں کورسز کیئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے Reflexology اور ہومیو پیتھی کی تعلیم بھی حاصل کی۔

پھر 1995 میں امریکی ریاست الاباما (Alabama) کے ادارے Clayton College of Natural Healing سے قدرتی طریقہ علاج میں ڈاکٹر کی ڈگری (Doctor of Naturopathy) حاصل کی۔ 1993ء سے Wholistic Healing کے ذریعے لوگوں کا علاج کر رہی ہیں۔ 1998ء میں سوڈان کے شہر خرطوم میں Integrative Medicine کے کلینکوں میں بھی کام کیا۔

ڈاکٹر جینٹ 25 سال سے زیادہ عرصہ سے دعوت اسلامی کے کاموں میں مصروف ہیں۔ وہ امریکی ریاستوں مثلاً مسوری (Missouri) الی نوئے (Illinois) انڈیانا اور میری لینڈ کے اسلامی سکولوں میں قرآن اور اسلامیات پڑھانے کی خدمات بھی انجام دیتی رہی ہیں۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر جینٹ اب بھی قرآن اور علم تجوید سیکھنے میں مصروف ہیں۔

اب تک وہ قرآن کے چھ پارے حفظ کر چکی ہیں۔ ڈاکٹر جینٹ آجکل امریکی ریاست میری لینڈ میں اپنے پانچ بچوں اور سات پوتوں، نواسوں کے ساتھ رہتی ہیں۔

ڈاکٹر جینٹ نے اسلام پر لیکچرز دینے کے علاوہ ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے، جن کا ٹائیٹل ہے:The Magnificent Organ (مطبوعہ امریکہ 2000ء)

اس کتاب کا موضوع ہے ''انسانی دل''۔ جس پر انہوں نے بحیثیت ایک نومسلمہ کے قرآن، حدیث اور سائنس کی روشنی پر بحث کی ہے۔ یہ بات دلچسپ ہے کہ نہ صرف ڈاکٹر جینٹ نے دل سے اسلام قبول کیا بلکہ انہوں نے اس بات کو اتنا اہم سمجھا کہ انہوں نے انسانی دل کی اہمیت پر ایک کتاب تصنیف کر ڈالی۔ اس کتاب میں ڈاکٹر جینٹ نے نہ صرف نسانی دل کے جسم میں بنیادی رول کو بیان کیا ہے بلکہ دل کی روحانی بیماریوں کو بھی انہوں نے بیان کیا ہے اور انکے علاج پر روشنی ڈالی ہے۔ کتاب میں جابجا ڈاکٹر جینٹ نے امت مسلمہ کے مجموعہ اتحاد پر خاص طور پر زور دیا ہے۔ کتاب میں ایک جگہ وہ لکھتی ہیں:

''آج کی دنیا میں لوگ علم اور ٹیکنالوجی کی دوڑ میں ایسے شامل ہوئے ہیں کہ انہیں آج صرف اپنے ذہنوں میں معلومات بھرنے کی فکر ہے۔ اپنے قلوب کی اصلاح کی کوئی پرواہ نہیں۔ چنانچہ دین اور دنیا میں تفریق بلکہ دل اور دماغ میں غیر ہم آہنگی کی وجہ سے ہمارا تعلیمی نظام ایک اہم سبب ہے جس کی وجہ سے آج ہمارے مسلمان معاشروں میں قلوب بیمار ہیں۔ ہم مادیت پرستی اور ٹیکنالوجی کی محبت میں اتنا آگے نکل گئے ہیں کہ ہم نے دل کی دنیا کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔

اکثر ایسا لگتا ہے کہ اسلام کا دل (Heart of Islam) مسلمانوں کے سینوں میں کمزور (Atrophied) پڑ گیا ہے۔ انسان کا دل ہی یقیناً کائنات کا مرکز ہوتا ہے۔''

کتاب میں ایک دوسرے مقام پر ڈاکٹر جینٹ مسلمانوں کی اجتماعی عبادات کی اہمیت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''ہمیں اجتماعی عبادات (Joint worship) (مثلاً باجماعت نماز، نماز جمعہ، نماز عیدین وغیرہ) کی طاقت کو کبھی کم نہیں سمجھنا چاہیے۔ رسول کریم ﷺ نے حدیث مبارک میں فرمایا تھا کہ بارہ ہزار متحد مسلمان (یعنی جن کے دل متحد ہوں) وہ کبھی شکست نہیں کھا سکتے۔ (سنن ابوداؤد۔ حدیث نمبر 1102)

یہاں امریکہ کے کئی شہروں میں مسلمانوں کی اجتماعی عبادات میں بعض اوقات مجمع کی تعداد بارہ ہزار سے زیادہ ہوتی ہے۔ کم از کم سال میں دو مرتبہ (عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازوں پر) لیکن اس کے اثرات کہاں ہیں۔؟ دراصل ہمارے دل اس مقام پر نہیں پہنچے۔

سب سے پہلے بندے کے لیے اپنے قلب کا تزکیہ لازم ہے۔ پھر ان تمام صاف اور متقی قلوب کا متحد ہو جانا ضروری ہے۔ جب یہ ہو جائے گا تو مسلمانوں کے اس گروہ کا کائنات کی کوئی مخالفانہ قوت مقابلہ نہیں کر سکتی۔"

بیٹی (بتول) بومین (Betty bowman)

آپ کا تعلق سفید فام امریکیوں سے ہے۔ آپ کی پیدائش امریکی ریاست میری لینڈ میں ہوئی والدین عیسائی تھے۔ بچپن غربت میں گزرا۔ جب عمر 20 سال ہوئی تو امریکہ کے بڑے شہر لاس اینجلس نقل مکانی کر لی۔ یہیں اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئیں۔ انہوں نے اپنے قبول اسلام کے متعلق پاکستان لنک کو ایک انٹرویو دیا، جو بعد میں محترمہ مظفر حلیم کی کتاب The Sun is Rising in the West (مطبوعہ میری لینڈ 1999ء) میں چھپا۔

اس انٹرویو میں انہوں نے بتایا: جیسا کہ آپ جانتی ہیں کہ کتابیں پڑھنا میرا دل پسند مشغلہ ہے۔ قبول اسلام سے قبل میں نے ایک ہزار سے زائد کتابیں پڑھیں۔ ان میں سے اکثر کتابیں روحانیت کے موضوع پر تھیں اور ان میں بائبل کی تعلیمات پر کتابیں، یہودیت کی تاریخ بدھ مت، گیتا، یوگا نندا اور داما کرشنا شامل تھے۔ قبول اسلام سے کئی ماہ قبل میں نے میلکم ایکس (Malcolm X) کے بارے میں بہت سی کتابیں پڑھیں جن میں اس کی خود نوشت سوانح عمری بھی شامل تھی۔ 1993ء مارچ میں میں نے تصوف کے متعلق پڑھنا شروع کیا۔ پھر اسلام کے متعلق مزید جاننے کے لیے مغربی مصنف سائرل گلیس (Cyril Glasse) کی لکھی ہوئی

(Concise Encyclopedia of Islam) حاصل کی اور اسے پہلے صفحے سے آخری صفحے تک پڑھ ڈالا۔ پھر 23 مئی 1993ء کو میں اسلامک سینٹر آف ساؤتھرن کیلفیورنیا (لاس اینجلس) میں گئی اور نومسلموں کے لیے اسلامی کلاس میں بیٹھی۔ کلاس کے بعد استاد سمیر بھائی سے میں نے اسلام کے متعلق سوالات کیے کہ کس طرح میں اسلام کا علم حاصل کر سکتی ہوں۔ برادر سمیر نے مجھ سے بہت سے سوالات کیے اور بالآخر یہ کہہ کر حیران کر دیا کہ مجھے اسلام کے متعلق پہلے ہی مکمل معلومات ہیں اور مجھے اسلام قبول کرنے کے لیے صرف کلمہ پڑھنے کی ضرورت ہے۔ میرے دل نے اندر سے مجھے یقین دلایا کہ استاد کی یہ بات بالکل سچ ہے۔ اور میں نے اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ لیا۔

(The Sun is Rising in the West، مطبوعہ 1999ء)

جب بیٹی بومین سے پوچھا گیا کہ وہ آجکل کن کتابوں کے مطالعے میں مصروف ہیں تو انہوں نے بتایا:

''میں قرآن کو جتنا زیادہ پڑھتی ہوں، مجھے اپنے بارے میں اتنا ہی اچھا احساس ہوتا ہے۔ میرے خیال میں ہر مسلمان کی یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ لگن کے ساتھ جتنا ممکن ہو قرآن کر پڑھنے سمجھنے اور یاد کرنے میں کوشش کرے۔ ہماری زندگیاں اس وقت تک بے معنی اور بے مقصد رہتی ہیں جب تک قرآن ہماری راہنمائی نہ کرلے۔'' (بحوالہ: ایضاً)

بیٹی بومین جن کی عمر اب 60 سال کے لگ بھگ ہے، پہلے 20 سال تک کمپیوٹر پر گرامر اور ٹیچر کے عہدے پر رہیں پھر ایک لاء فرم کے ساتھ منسلک ہو گئیں۔ جب ان سے شادی نہ کرنے کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے بتایا:

میرا بچپن غربت میں گزرا۔ میں نے 20 سال کی عمر میں لاس اینجلس نقل مکانی کر لی۔

میں بہت علمی مزاج رکھتی ہوں۔ میں نے ایک ہزار سے زائد کتابیں پڑھی ہیں۔ میں سطحی (Superficial) چیزوں سے اپنا تعلق پسند نہیں کرتی۔ مثلاً ٹی وی۔ ریڈیو، میگزین، کھیلیں، تفریحات یا مادیت پرستی کی چیزیں۔

میں اسلام کی روحانی زندگی کے متعلق علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا چاہتی ہوں اور کمزوروں اور بے بسوں کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔

جیسا کہ آپ جانتی ہیں کہ امریکہ بہت سیکولر ہے اور تمام اشتہارات میں درحقیقت عورت کی تذلیل ہوتی ہے، اس کے جسم کی نمائش ہوتی ہے۔ میں نے یہ دیکھا کہ اکثر مغربی مرد مادہ پرست، سطحی اور غیر علمی ہوتے ہیں۔ جبکہ میں ہمیشہ سے ''مسلمان'' تھی گو کہ مجھے اس کا علم اس وقت ہوا جب میں نے کلمہ شہادت پڑھا۔ (بحوالہ: ایضاً)

ٹی بومین نے یہ بھی بتایا کہ آج مغربی دنیا نے روحانی اقدار کو بھلا دیا ہے اور اشتہارات، پیسہ اور مادی چیزوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ جبکہ یہاں کا بے رحم سرمایہ دارانہ نظام انہیں یہ بتاتا ہے کہ لوگوں کی تذلیل بالخصوص عورت کے جسم کی نمائش اور تذلیل سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر اس سے پیسے کمائے جا رہے ہوں۔'' دراصل اسلام ہمیں شخصی جوابدہی کا درس دیتا ہے اور جہاد بالنفس پر ابھارتا ہے۔ یہ تاریخ میں سب سے موزوں وقت ہے۔ جب کہ امریکہ کے مسلمانوں کو اس موقع پر جاگنا چاہئے اور اپنی ڈیوٹی سنبھالنی چاہئے۔

یعنی انہیں اپنا تزکیہ نفس کرنا چاہیے تاکہ وہ صاف طور پر دیکھ سکیں کہ وہ اپنی زندگیوں میں قرآن کو کس طرح نافذ کر سکتے ہیں۔ انہیں پہلے دیگر مسلمانوں کی اصلاح کرنی چاہیے اور پھر اس کے بعد انہیں مادیت میں غرق امریکی عوام کے سامنے اسلام کی حقانیت کی تبلیغ کرنی چاہیے تاکہ وہ صرف ایک رب ذوالجلال کی بندگی کریں۔

خلاصہ کلام

اوپر بیان کی گئی بحث اور نومسلموں کی زندگیوں کے واقعات سے قارئین کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو پھیلانے کے لیے مسلمانوں کا محتاج نہیں۔ اگر مسلمان گہری نیند سونا چاہتے ہیں تو سوئے رہیں، لیکن یہ یاد رکھیں کہ ڈراؤنے خواب (Nightmares) سونے والوں کو ہی آیا کرتے ہیں۔ جاگے ہوئے لوگوں کو نہیں۔ اور آج مسلمان بار بار ڈراؤنے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا کام یہودیوں اور عیسائیوں کو مسلمان بنا کر لے سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ المائدہ میں فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ O

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے تو پھر جائے۔ اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہو گا۔ جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔'' (سورہ المائدہ: 54)

باب ہفتم

صحیح اسلامی علم کس طرح حاصل کیا جائے؟

دین اسلام کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ یہ دین ہم تک اساتذہ کے ذریعے سے پہنچا ہے۔ یہی چیز دین اسلام کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔ عبداللہ بن مبارکؒ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا، جب آپ نے فرمایا تھا:

لَو لَاَالاسناد لقال من شآءَ ماشآءَ۔

''اگر دین میں سند نہ ہوتی تو کوئی بھی شخص اسلام کے متعلق جو چاہتا کہہ دیتا۔''

''سند'' سے مراد ہے کہ ہم نے یہ حدیث یا یہ اسلامی بات کس استاد سے حاصل کی اور اس نے یہ بات کس استاد سے سیکھی، وغیرہ۔ قرآن نے ہمیں تاکید کی ہے کہ جب ہم نے علم حاصل کرنا ہو تو ہمیں چاہیے کہ ہم ''اہل ذکر'' یعنی علما کی طرف رجوع کریں۔

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ۔ (سورۃ النحل، آیت:43)

''اگر تم لوگ خود نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔

ایسے علما کے متعلق قرآن بتاتا ہے کہ وہ خوف خدا رکھتے ہیں۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (سورہ فاطر، آیت 28)

اللہ کے بندوں میں سے تو صرف اہل علم ہی اپنے اللہ سے ڈرتے ہیں۔

ایسے اساتذہ کے متعلق قرآن یہ بھی فرماتا ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (سورۃ مجادلہ، آیت: 11)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور وہ لوگ جو اصحاب علم وفضل ہیں۔ ایسے لوگوں کے درجات اللہ نے بلند فرمائے۔

اسی سلسلہ تعلیم و تفہیم کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ کو اساتذہ میں شمار فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً (ابن ماجہ) "مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

خود رسول اللہ ﷺ کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ آپؐ کو جبرائیل امینؑ جیسے مضبوط استاد نے پڑھایا۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى (سورۃ النجم، آیت 5)

حضور ﷺ کو ایک زبردست قوت والے (فرشتے) نے تعلیم دی ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور موطا میں صحیح سند کے ساتھ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ پانچ وقت کی نمازیں فرض ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو نماز کے صحیح اوقات بتانے کے لیے جبرائیل کو آپ کے پاس بھیجا اور جبرائیل علیہ السلام نے امام بن کر آپؐ کو نماز پڑھائی جبکہ آپ ﷺ مقتدی تھے۔ جبرائیل علیہ السلام نے دو روز تک پانچوں وقت کی نمازیں حضور ﷺ کو پڑھائیں۔

آج کے دجالی دور میں جہاں معاشرے کی مذہبی اقدار کی اہمیت کو کم کیا جا رہا ہے۔ وہاں پر والدین اور اسلامی علوم کے اساتذہ کی عزت و احترام کو بھی گھٹایا جا رہا ہے۔ دینی مدارس کی

مٹی پلید کرنے کے لیے میڈیا پر پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ والدین اور مذہبی مدارس کے معلمین کسی معاشرے کی مذہبی اقدار کو اگلی نسلوں تک منتقل کرتے ہیں۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ اس کے برعکس مسلمانوں کو مذہبی اساتذہ سے اسلامی علوم کی تحصیل کی بجائے میڈیا کے ذریعے سے اسلامی علوم حاصل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے اور یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ UNO کے سوشل انجینئرنگ پروگرام کی مسلمان ممالک میں تکمیل کی جاسکے۔

مشینی اساتذہ بمقابلہ انسانی اساتذہ:

موجودہ دور میں سکولوں میں بچوں کو اساتذہ کی بجائے کمپیوٹر سے پڑھانے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔کئی جگہوں پر ٹیچنگ کے فرائض اساتذہ کی بجائے کمپیوٹرز سے لیے جانے لگے ہیں۔ یہی رجحان اسلامی علوم میں بھی منعکس ہونا شروع ہوگیا ہے۔ آج کل قرآن حفظ کرنے کے کمپیوٹر پروگرام (Software) نکل آئے ہیں۔

اسی طرح بعض مسلمان حضرات، کلاسیکل اسلامی علما کی کتابوں سے علم حاصل کرنے کی بجائے انٹرنیٹ سے اسلامی علوم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو خواتین و حضرات اپنے گھروں میں ڈش یا کیبل ٹی وی چینل لگواتے ہیں' وہ بھی اپنے ضمیر کی خلش لوگوں کو یہی کہہ کر مٹاتے ہیں کہ اصل میں ٹی وی پر اسلامی چینل پر درس قرآن آتا ہے یا بچوں کو قرآن پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔ یا '' مکہ مکرمہ کی تراویح براہ راست دکھائی جاتی ہیں۔'' وغیرہ وغیرہ۔ لیکن چونکہ ان چیزوں کا مآخذ صحیح نہیں ،اس لیے ان سے بھلائی کی کوئی امید نہیں لگائی جاسکتی۔ یہ چیزیں تو صرف

''دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے''

کی مصداق ہیں۔ مشینیں جب تک انسان کی غلام رہیں تو معاملہ ٹھیک رہتا ہے۔ جب مشینیں انسان کی استاد بن جائیں تو پھر وہی ہونا ہے جو اقبالؒ نے فرمایا تھا

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

حقیقت یہ ہے کہ مشین کبھی انسانی استاد کا مقابلہ نہیں کرسکتی کیونکہ انسان کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ۔ بے شک ہم نے بنی نوع انسان کو عزت بخشی۔

ٹیچر انسان کو جو علم دیتا ہے وہ معلومات کے ساتھ ساتھ انسانی جذبات واحساسات اور جذبہ انسانیت بھی لیے ہوئے ہوتا ہے جبکہ کمپیوٹر، ٹی وی اور ویڈیو کے ایجوکیشنل پروگراموں سے جو معلومات شاگردوں کو ملتی ہیں، وہ جذبات سے عاری ہوتی ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ماں کا دودھ غذائیت کے ساتھ ساتھ ماں کی محبت وشفقت کے جذبات بھی رکھتا ہے جبکہ بوتل کے دودھ میں صرف غذائیت ہوتی ہے۔ جیسا کہ یٹزہک کوچ (Yitzhak Koch, Ph.D) جو کہ ایک اسرائیلی سائنس دان ہے، نے کہا تھا:

''ماں کا دودھ بچے کو صرف غذائیت ہی نہیں دیتا۔ دراصل اس ذریعے سے ماں علم اور جذبات کو بچے تک منتقل کرتی ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ ماں کی گود کو بچے کی پہلی درس گاہ کہا جاتا ہے۔ عرب شاعر احمد شوقی نے کہا تھا۔

اَلْاُمُّ مَدْرَسَةٌ اِذَا اَعْدَدْتَهَا
اَعْدَدْتَ شَعْبًا طَيِّبَ الْاَعْرَاقِ

''مائیں مدرسے کی طرح ہوتی ہیں۔ اگر تم ان کو تیار کرو گے تو ایک مضبوط بنیادوں والی قوم تیار لو گے۔''

بچے کے پہلے اساتذہ اس کے ماں باپ اور پھر اسکول یا مذہبی مدارس کے معلمین یعنی اس کے اساتذہ ہوتے ہیں جو اس کو اچھائی اور برائی کی تمیز سکھاتے ہیں۔ دجالی نظام میں بچوں کو انسانی اساتذہ سے حتیٰ الوسع دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کینیڈا کے اخبار ٹورانٹو گلوب اینڈ میل (Toronto Globe and Mail) کی خاتون صحافی میرین کیسٹر (Marian Kester) نے اس سلسلے میں بہت دلچسپ بات کہی ہے:

''اگر بچوں کو ٹی وی کے ذریعے سے والدین سے دور کردیا جائے گا' ویڈیو گیمز کے ذریعے

سے اپنے ہم عمر کھیلنے والوں سے دور کردیا جائے گا اور ٹیچنگ مشینوں (ٹی وی، کمپیوٹر پروگرام وغیرہ) کے ذریعے سے اساتذہ سے دور کردیا جائے گا تو وہ انسانیت کہاں سے سیکھیں گے۔؟"

(Jerry Mander, Wild Duck Review, Jan. 1985)

جرمنی کا ماہر تعلیم ڈاکٹر روڈالف سٹائنر (Dr. Rudolf Steiner) جو کہ بیک وقت فلسفہ، مذہب علم نفسیات، آرٹ، تاریخ، معاشیات اور سیاسیات میں ماہر تھا، نے 1919ء میں جرمنی میں پہلے والڈارف (Woldorf) اسکول کی بنیاد رکھی اور چند ہی سالوں میں والڈارف طریق تعلیم پوری مغربی دنیا میں پھیل گیا۔ اس طرز تعلیم کا مقصد انسانوں کی روح کو Educate کرنا ہوتا ہے۔ امریکی ماہر تعلیم ڈاکٹر رونلڈ کوئزک (Dr. Ronald E. Koetzsh) اپنی کتاب The Parents' Guide To alternatives in education (مطبوعہ بوسٹن 1997ء) میں والڈارف اسکولوں کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بتاتے ہیں کہ پرائمری اسکول کی کلاسز میں استاد شاگرد کے رشتے کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اور مشینوں کی بجائے اساتذہ بچوں کو پڑھاتے ہیں۔ ڈاکٹر رونلڈ لکھتے ہیں:

Electronic teaching aids, television, audio and video tapes, and films are not used. These are thought to interfere with the direct relationship between teacher and child and to undermine the imagination and creativity of both."

''اس طریق تعلیم میں مشینی ٹیچنگ کے سہارے ٹی وی، آڈیو اور ویڈیو ٹیپ اور فلمیں استعمال نہیں کی جاتیں۔ انکے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ استاد اور بچے کے براہ راست تعلق میں رکاوٹ ڈالتی ہیں اور استاد اور بچے دونوں کی قوت تخیل اور قوت تخلیق کو کم کرتی ہے۔''

علوم اسلامی کے اساتذہ کی اہمیت:

یہ دین اسلام علماء کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے مشینوں سے نہیں۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کا فرمان ہے: ''اگر تمہیں علم کی تلاش ہے تو اسے کسی کے ہونٹوں سے حاصل کرو۔ اسی طرح تمہیں منتخب علم حاصل ہوگا۔'' (بحوالہ تاریخ تعلیم وتربیت)

استاد دین کے علم کے ساتھ ساتھ انسانیت اور ادب بھی سکھاتا ہے۔ حضور ﷺ نے ایک بار فرمایا: اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ. (کشف الخطاء)

میرے رب نے مجھے حسن ادب سکھایا ہے۔

کیوں کہ بقول اقبالؒ

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

ملائیشیا کے عظیم مفکر اور اسلامی فلسفی سید نقیب العطاس کے مطابق مسلمانوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ آج ان میں ''ادب'' کا فقدان ہوگیا ہے۔ جو لوگ علما کے گستاخ ہوتے ہیں، وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ ابن عساکرؒ مؤرخ اور محدث نے علما کے اسی مقام کے پیش نظر کہا تھا: ''لُحُوْمُ الْعُلَمَآءِ مَسْمُوْمَةٌ۔ علما کا گوشت بہت زہریلا ہوتا ہے۔ یعنی اگر ہم علما کی غیبت کریں گے تو اس کا زہر ہمارے ایمان کو تباہ کر کے رکھ دے گا۔

علما اساتذہ اور معلمین علم کی ترویج وتبلیغ کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ ان کی قدر ومنزلت کا اندازہ حضور ﷺ کے اس فرمان سے لگایا جاسکتا ہے۔

اِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ (سنن ترمذی)

''علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔''

مذہبی استاد صرف استاد ہی نہیں ہوتا بلکہ ایک مربی (سرپرست) بھی ہوتا ہے۔ عربی کا مقولہ ہے:

لَوْلَا مُرَبِّیْ لَاعَرَفْتُ رَبِّیْ. "اگر میرا استاد نہ ہوتا تو میں اپنے رب کو نہ پہچان سکتا۔"
مسلمان استاد انسان کا تزکیہ نفس کرتا ہے۔ وہ اسے حضور ﷺ کا عشق سکھاتا ہے یہی وجہ ہے کہ دین اسلام کا علم غیر مسلم مستشرقین کی کتابیں پڑھ کر یا ان کی شاگردی سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ان کے پاس عشق رسول ﷺ کی دولت نہیں ہوتی۔ ایسے ہی غیر مسلم اساتذہ کے متعلق پنجابی شاعر میاں محمد بخشؒ نے فرمایا تھا:

قدر پھلاں دی گدھ کی جانے مردے کھاون والی
قدر پھلاں دی بلبل جانے صاف دماغاں والی
قدر نبیؐ دی اے کی جانن دنیا دار کمینے
قدر نبیؐ دی جانن والے سوون گئے وچ مدینے

اسلامی تاریخ سے چند درخشاں مثالیں:

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ مسلمان اساتذہ کو اسلامی معاشرے میں ہمیشہ قدر و منزلت حاصل رہی ہے۔ یہاں اس کتاب کے اختتام پر اسلامی تاریخ سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

☆......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے استاد امام حماد سے اس قدر محبت تھی کہ آپ امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کے گھر جا کر ان کے گھر کے کام کاج کرتے۔ چکی پیستے، گھر کا سودا سلف بازار سے لا کر دیتے۔ گھر میں امام حماد کے مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے، اسی لیے ایک مرتبہ جب امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کو ایک ماہ کے لیے کہیں دور دراز کا سفر کرنا پڑا اور واپس لوٹے تو ان کے بچوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو ہم بیٹوں میں سے سب سے زیادہ کون یاد آیا؟
اس پر امام حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے تم لوگوں کے بجائے ابوحنیفہ سب سے زیادہ یاد آیا۔"
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے استاد کے احترام میں امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں منصب افتاء

نہیں سنبھالا۔

☆ ...... امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جب نوجوان لڑکے تھے اور علم حدیث سیکھ رہے تھے تو آپ امام نافع رحمۃ اللہ علیہ (جو صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے غلام اور عظیم شاگرد تھے) کے گھر کے سامنے گرمیوں کی تپتی دوپہر کو درخت کے نیچے سو جایا کرتے جبکہ آپ کا جسم پسینے سے شرابور ہوتا تھا اور یہ مشقت صرف اس لیے برداشت کرتے کہ جب امام نافع رحمۃ اللہ علیہ عصر کی نماز کے لیے نکلیں تو راستے میں ان سے چند احادیث اور فقہی مسائل پوچھ لیں، ورنہ مسجد میں امام مالک جیسے کم عمر نوجوان کے لیے امام نافع رحمۃ اللہ علیہ جیسے شخص تک رسائی آسان نہ تھی۔ دوپہر کو جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بہن کھڑکی سے امام مالک کو اس حالت میں دیکھتی تو اس کا دل پریشان ہو جاتا لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے والد کو تسلی دیتے ہوئے کہتے کہ فکر نہ کرو۔ مالک اسلامی علوم کے لیے یہ تکالیف برداشت کر رہا ہے۔

☆ ...... سپین کے قاضی یحییٰ بن یحییٰ وہ شخص تھے جنہوں نے مسلمانوں کے دور حکومت میں پورے اسلامی سپین میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کو عام کیا۔ طالب علمی کے دور میں جب وہ مدینہ آ کر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے علم حدیث اور فقہ کو عام کیا۔ طالب علمی کے دور میں جب وہ مدینہ آ کر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے علم حدیث اور فقہ حاصل کر رہے تھے تو ایک مرتبہ مدینہ میں ہاتھی لایا گیا۔ طالب علموں کی خواہش پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے سب طالب علموں کو اجازت دے دی کہ وہ جا کر گلی میں ہاتھی کو دیکھ آئیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے تمام شاگرد چلے گئے سوائے یحییٰ بن یحییٰ کے۔ جب امام مالکؒ نے ان سے پوچھا کہ وہ کیوں ہاتھی دیکھنے نہیں گئے تو ابو یحییٰ بن یحییٰ نے جواب دیا: ''میں سپین سے مدینہ ہاتھی دیکھنے نہیں آیا۔''

☆ ...... شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس قدر عزت کرتے تھے کہ ایک مرتبہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں کسی کام سے دوسرے قصبے میں اپنا ذاتی

گھوڑا دے کر بھیجا۔ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے پورا راستہ پیدل طے کیا۔ واپسی پر جب سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی تو شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے: جس گھوڑے کی پیٹ پر میرا استاد سوار ہوتا ہے، مجھے یہ گوارا نہ ہوا کہ میں اس گھوڑے پر سواری کروں۔"

☆ ...... علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے اساتذہ کا بے حد احترام تھا۔ ایک بار اپنے استاد شمس العلما مولوی میر حسن کو سیالکوٹ کے بازار سے گزرتے دیکھا۔ آپ پر استاد کے ادب کا ایک قدر غلبہ تھا کہ جوتے پہننے کا خیال بھی نہ رہا۔ بے ساختہ ننگے پاؤں استاد کے ساتھ چل پڑے یہاں تک کہ استاد گرامی کا گھر آ گیا۔

☆ ...... سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے استاد اور مرشد سے اتنی محبت تھی کہ اپنے عارفانہ کلام میں جابجا اور اپنے مرشد کا ذکر کیا ہے۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی میری من وچ مرشد لائی ہو
جیوے مرشد کامل باہو جے ایہہ بوٹی لائی ہو

☆ ...... مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا شجرہ نسب سات واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہونے کے علاوہ مولانا رومؒ اپنے وقت میں قرآن، حدیث، فقہ اور فلسفہ کے ایک متبحر عالم بھی تھے۔ اس کے باوجود تزکیہ اور روحانی علوم کے حصول کے لیے اپنے وقت کے عظیم ولی اللہ حضرت مولانا شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فیض کیا اور ایسا کیا کہ شاگردی کا حق ادا کر دیا۔ ایک روایت ہے کہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ ان کے سینے میں اللہ تعالیٰ کے عشق کی جو آگ ہے، انہیں کوئی ایسا باکمال شاگرد مل جائے جس کے سینے میں وہ عشق الٰہی کی اس آگ کو منتقل کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول

فرمائی اور انہیں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ جیسا شاگرد عطا فرمایا۔ اپنے استاد شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ درج ذیل اشعار بیان فرمائے:

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد
مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزیؒ نہ شد

''کوئی شے بھی خود بخود اہم شے نہیں بن جاتی۔ لوہا خود بخود تلوار نہیں بن جاتا ہے۔ یہ مولوی بھی ہرگز مولانا روم نہ بن سکتا، اگر وہ شمس تبریز کی شاگردی و غلامی اختیار نہ کرتا۔''

یہ ہے علمائے اسلام کا مقام۔ ان کی شاگردی اختیار کیے بغیر ہم خود بخود عظیم نہیں بن سکتے۔

قصہ مختصر:

حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام کا علم ہمیں علما کی صحبت میں رہنے سے آتا ہے نہ کہ کمپیوٹر حفظ پروگراموں یا ٹی وی پر نشر ہونے والے اسلامی پروگراموں سے۔ مغربی نومسلم اس حقیقت کو سمجھ گئے تھے یا انٹرنیٹ یا ٹی وی اسلامی پروگراموں کی بجائے مسلمان ممالک میں جا کر علما سے علم حاصل کیا۔ شیخ حمزہ یوسف، امام زید شاکر، ڈاکٹر بلال فلپس، عبدالحکیم مراد، شیخ یحییٰ روڈ جیسے نومسلموں نے تو علمائے اسلام سے علم حاصل کرنے کے لیے افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے صحراؤں کے تکلیف دہ سفر بھی کیے۔

شیخ حمزہ یوسف، ڈاکٹر بلال فلپس اور عبدالحکیم مراد نے علمائے اسلام سے علم حاصل کرنے کے لیے افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے صحراؤں کے تکلیف دہ سفر کیے۔ پاکستان اور انڈیا کے

علمائے اسلام سے فیض حاصل کرنے کے لیے یہاں کے دورے کیے۔ان نومسلموں نے اسلامی علوم کی تحصیل کے لیے ہمارے ممالک کے سفر کیے۔ہمیں ''چراغ تلے اندھیرا'' کا مصداق نہیں بننا چاہیے۔

ہمارے پاکستان میں آج بھی عظیم مسلمان علماء موجود ہیں۔ جو مدرسوں میں بیٹھے ''قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم '' کی صدائیں بلند کر رہے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس غیروں کے دلوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہے ہیں۔ہمیں جدید سائنسی علوم بھی حاصل کرنے چاہئیں لیکن ساتھ ساتھ علمائے اسلام سے اپنا رابطہ منقطع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ان کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھنے اور فیض حاصل کرنے سے ہی ہمیں اسلام کا صحیح درد حاصل ہوگا۔یہی بات اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہی تھی۔

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں